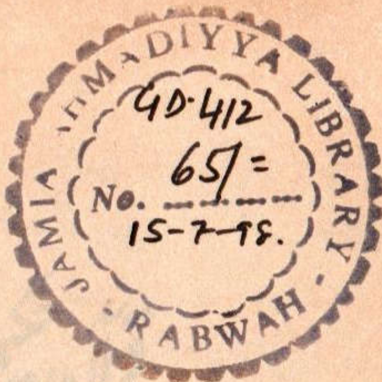


یاجوج ماجوج

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مولانا نذیر الحق



فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور - راولپنڈی - کراچی

قرآن حکیم

پارہ ۱۷۔ سورۃ الانبیاء کا رکوع ۱ اپنے مفہوم کے اعتبار سے یوں شروع ہوتا ہے:

"جو کوئی اچھے کام کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی، ہم اس کے لئے لکھ لیں گے اور وہ بستی جس کو ہم اجاڑ دیں، یقیناً کبھی آباد نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی کے ساتھ نکل پڑیں گے۔ سچا وعدہ قریب آجائے گا تو ناگاہ کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ وہ سوچیں گے، ہم پر افسوس ہے کہ ہم اس سے غفلت میں رہے، ہم ظالم تھے۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں نشان زد حقائق و معارف تفصیل طلب اور قابلِ غور و فکر ہیں، جو بالترتیب ملاحظہ ہوں۔

نعمت کا انکار اور اس کے ادائے شکر سے پہلو تہی کو کفران کہتے ہیں۔ یہاں بھی یہی معنیٰ آئے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی صلاح و فلاح، عروج و ارتقاء اور امن و سلامتی کے لئے وحی و نبوت کا سلسلہ شروع کیا تاکہ وہ اندھیروں سے نکل کر علم و عقل کی روشنی میں آجائیں، کفر و ضلالت سے بچ کر ایمان و ہدایت کی راہ اختیار کریں اور ارتقائے انسانیت کی تمام راہیں ان کے لئے کھل جائیں۔

انبیا علیہم السلام آتے رہے اور انسانوں کو ایمان و ہدایت کی طرف بلاتے رہے۔ جن سعید انسانوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہ مومن و مسلم کہلائے اور جن بدبختوں نے اُن کی دعوت کو قبول کرنے اور اللہ کی بندگی اختیار کرنے سے انکار کیا وہ کافر و مشرک قرار پائے۔ انھوں نے وحی و نبوت کے سلسلۂ فیوض اور اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا انکار و ناقدری کی، تکبر و انانیت کی روش اختیار کرکے وقارِ انسانیت کو گرا دیا اور دنیا میں ظلم و فساد پھیلاتے رہے۔

تمام انبیاء کے آچکنے کے بعد ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم رحمتہ للعالمین بن کر آئے اور قرآن مجید ذکریٰ للعالمین کی حیثیت سے نازل ہوا۔ بندوں پر حجت تمام ہوئی اور قرآن نے ایمان و ہدایت کو آئینہ کی طرح روشن کردیا کہ اب جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے ایمان و ہدایت کی راہ پر آجائے، خداپرستی اور نیک عملی سے دنیا کی ترقی بھی ملے گی اور آخرت کی نجات بھی، نفس پرستی و بداعمالی سے خواہ دنیا کی عارضی و فانی کامیابی حاصل ہوجائے مگر انسانیت اور آخرت برباد ہوجائیگی۔ پھر قرآن نے ضمانت دی۔

"جو ایمان کی راہ اختیار کرکے اچھے اعمال کرے گا اُس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور ہم اس کے لئے لکھ لیں گے"۔

مقدس گروہ انبیاء اور ان کو مصائب سے نجات دینے کا حوالہ دے کر قرآن نے رسول اکرمؐ کو خوشخبری دی اور مومنین کی تسکین کے لئے ان کا ذکر کیا کہ اگر وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے نقوشِ قدم پر چلیں گے تو ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کچھ کیا جائے گا۔ خدا کی راہ میں کوشش کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو اس کی کوشش رائگاں نہ جائے گی اور اگر وہ کافر و گمراہ قوموں کے نقشِ قدم پر چلیں گے تو وہ

اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔

مردے واپس نہیں آسکتے

حرام کے معنے ممنوع ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں ایک قول منقول ہے کہ جو لوگ کفر و بداعمالی کے نتیجے میں ہلاک کردیے جائیں گے وہ قیامت سے پہلے دوبارہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ مطلب یہ کہ جو قوم بوجہ مخالفتِ حق ہلاک کردی جاتی ہے وہ لوٹ کر نہیں آتی کہ دوبارہ حق کی مخالفت کرے۔

یہاں قرآن نے ایک عام قانون یہ بیان فرمایا ہے کہ جو مرجائے وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آیا کرتا لہذا انسان کے لئے موقع ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرے۔ اپنے نفع و نقصان کو سمجھے، ذمّہ داری کو محسوس کرے، قانونِ مکافاتِ عمل سمجھے، اس پر یقین کرے، آخرت پر ایمان لائے اور اس کی تیاری کرے۔ مرنے کے بعد یہ موقع ہاتھ سے نکل جائیگا اور اس کا پچھتانا کچھ کام نہ آئیگا۔

اسی لئے قرآن بار بار مسلمانوں کو بیدار و متنبہ کرتا ہے

کہ دیکھو یہ دنیا دارالعمل یا آخرت کی کھیتی ہے۔ خدا کو، اپنی حقیقت کو اور آخرت کو فراموش نہ کرو۔ خدا کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے ڈرو۔ دنیا کی محبت میں غافل و بدمست نہ ہو اور جائز حد تک دنیاوی امور و مشاغل کے ساتھ ساتھ آخرت کی تیاری بھی کرتے رہو۔

اس کے بعد قرآن مسلمانوں کو خصوصاً اور دنیا والوں کو عموماً ڈراتا ہے کہ اگر دنیا والے کفر کی راہ پر جمے رہے، نفاق کی روش نہ چھوڑی اور بداعمالیوں سے باز نہ آئے تو یاجوج و ماجوج کا خروج ہو کر رہے گا اور پھر وہ اپنی قسمت کو روئیں گے۔

یاجوج و ماجوج کھولدیئے جائیں گے

کھولے جانے سے مراد اُن کا خروج ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں تفصیل سے آتا ہے اور جو آخری زمانے سے متعلق ہے۔ بعض حدیثوں میں خروجِ یاجوج و ماجوج اور خروجِ دجال کا اکٹھا ذکر ہے۔ خروجِ یاجوج و ماجوج سے مسلمانوں پر خاص طور پر بلاؤں، ذلتوں، مصائب و مشکلات کا آنا مذکور ہے۔ یہاں تک خبر دی گئی ہے کہ مسلمان اپنے شہروں اور گھروں میں گھس جائیں گے۔ یعنی ان کی حکومتیں

اُن کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور جو باقی رہیں گی وہ
کمزور، ذلیل اور محتاج ہوں گی۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ وہ دریاؤں کا
سب پانی پی جائیں گے اور پانی ہی پر زندگی کا انحصار ہوتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دوسری کمزور قوموں کی بالخصوص
مسلمانوں کی آزادی، خود مختاری اور سامانِ حیات چٹ
کرجائیں گے اور سیاسی واقتصادی اعتبار سے انھیں اتنا
کمزور، نااہل اور مجبور وبے بس کردیں گے کہ وہ ان کے
رحم وکرم پر جئیں گے۔

قرآن حکیم کا بیان ہے کہ یاجوج وماجوج ہر بلندی
سے تیزی کے ساتھ نکل پڑیں گے۔ یاجوج وماجوج ایک
قوم یا دو قومیں ہوں گے۔ وہ ناری، نوری اور خاکی مخلوق
کے علاوہ کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہ ہوں گے بلکہ ایک
ایسی قوم ہونگے جو اپنی مادی ترقی اور شوکت وغلبے میں
کمال کو پہنچی ہوئی ہوگی۔

وجہ تسمیہ

یاجوج وماجوج کا لفظ اجیج
سے لیا گیا ہے اور اجیج
شعلۂ نار کو کہتے ہیں۔ یہ وجہ تسمیہ بیرونی لوازم کے لحاظ سے
ہے۔ معناً اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یاجوج وماجوج

کے لئے آگ مسخر کی جائے گی اور وہ اپنی تہذیب وتمدن
میں آگ سے بہت زیادہ کام لیں گے، آبادیوں پر آگ
برسائیں گے اور شہروں کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھدیں گے۔
اُن کے برّی بحری اور ہوائی سفر آگ کے ذریعے
ہوں گے، جنگیں بھی آگ ہی سے ہوں گی۔ کارخانے
آگ کی مدد سے چلیں گے اور اُن کے تمام کاروبار کا
دارو مدار آگ پر ہوگا۔

قرآن حکیم نے اس قوم کی ایک نشانی یہ بتلائی ہے کہ
مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ ۝

یعنی ان کو ہر قسم کی مادی وارضی فوقیت وبرتری حاصل
ہوگی اور وہ ہر قوم پر غالب وقاہر ہوجائیں گے۔

قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پروردگارِ
عالم کے تمام وعدے جن میں مسیح موعود کا ظہور اور یاجوج و
ماجوج کا خروج نہایت اہم ہے، سچے ہوکر رہیں گے۔ ہر
مسلمان کو اِن وعدوں پر ایمان رکھنا چاہیے جیسا کہ اس
آیت کا مفہوم ہے۔

"یعنی جن لوگوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے ان کے
لئے ہم نے حرام کردیا ہے کہ دنیا میں دوبارہ آئیں
وہ دنیا میں اس وقت تک نہیں آسکتے جب

تک یاجوج وماجوج نہ آجائیں اور زمین پر غلبہ نہ
حاصل کرلیں۔"
اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے حیوانی و
ارضی قویٰ یعنی سائنسی و مادّی ترقی کا کمال یاجوج وماجوج پر
ختم ہو جائیگا اس کے بعد انسانی و روحانی ترقی کا دور
شروع ہوگا۔

بلندی سے نکلنے کے معنی

قرآن پاک کا یہ اعلان کہ وہ ہر بلندی سے تیزی کے
ساتھ نکل پڑیں گے قابلِ غور ہے اور وحی الٰہی ہونے کا
سب سے روشن ثبوت ہے ہمیں جو کچھ آج سے چودہ سو
سال پہلے بتایا گیا تھا آج ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے
ہیں گویا دنیا کے موجودہ حالات وواقعات قرآن کی تفسیر
ہیں اور اللہ تعالےٰ کی قدرت ومشیت کی گواہی دے رہے ہیں۔
اس ارشاد کے صریحی معنے یہ ہیں کہ وہ تھوڑے ہی
عرصے میں ہر بلندی پر تیزی سے قابض ہو جائیں گے خشکی
اور تری کے تمام مقامات پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اُن کا قبضہ
و تصرف ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ "وہ ساری
زمین کو ڈھک لیں گے"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔
لا یدان لاحب بقتالھم
دنیا کی کسی قوم میں ان کے ساتھ جنگ کرنے اور مقابلے
کی طاقت نہ ہوگی۔
اُن کی آخری حالت کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے۔
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ (الکھف)
یعنی وہ ایک دوسرے سے آپس میں ہی الجھ پڑیں گے۔
اور کسی قوم میں تو یہ تاب و طاقت ہی نہ ہوگی کہ اُن
سے جنگ کا خیال بھی دل میں لا سکے، خود قدرتِ قاہرہ ہی اُن
کو یوں ہلاک کرے گی کہ وہ آپس میں ہی گتھ جائیں گے طاقت
طاقت کا سر پھوڑے گی، لوہا ہی لوہے کو کاٹے گا اور خدا
سے انکار و بغاوت کی سزا انھیں اپنے ہی ہاتھوں مل جائے گی۔
یاجوج وماجوج کی وجہ تسمیہ اس بات کی طرف بھی اشارہ
کرتی ہے کہ اُن کی سرشت میں آتشی مادہ حد سے زیادہ ہوگا۔
تکبر و انانیت، فرعونیت اور بربریت میں اُن کا مقابلہ دنیا
کی کوئی قوم نہ کر سکے گی۔ وہ اپنی تیزی، چستی، چالاکی،
مکاری اور دغابازی میں آتشی خواص کے حامل ہوں گے
مٹی جب اپنے کمال تام کو پہونچتی ہے تو اس کا وہ حصہ جوہر
بن جاتا ہے جس میں آتشی مادہ زیادہ ہو جاتا ہے، جیسے سونا

چاندی اور دیگر جواہرات ۔ یعنی یاجوج وماجوج کی سرشت میں
ارضی جوہر کا کمال ہوگا۔ یہ بات اس حقیقت پر دلالت
کرتی ہے کہ زمین نے اپنے انتہائی خواص ظاہر کر دیئے۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔

اور زمین نے اپنے تمام بوجھ نکال کر رکھ دیئے۔ (قرآن مجید)

جب یاجوج وماجوج کی کثرت اور ان کے مادی اقتدار
کا غلبہ ہوگا تو یہ سمجھ لیا جائیگا کہ زمین نے اپنا دائرہ مکمل
کرلیا۔ قرآن کی پیشین گوئی پوری ہوگئی اور بقول حضرت
علامہ اقبالؒ اقوام یورپ "لا" کی منزل سے گذر کر "الّا"
کی منزل میں داخل ہوگئیں۔

یاجوج وماجوج کا کمال بنی آدم کا آخری کمال ہے۔
ان قوموں کی فطرت محض دنیوی زندگی کی ترقی و رونق اور
کام و دہن کی لذت ہے۔ ان کا وجود دنیا میں ظلم و فساد کا
منبع ہے۔ اُن کی تہذیب حیوانیت کا ظہور کامل ہے اور
وعلم آدم الاسماء کلها کی زندہ تفسیر ہے۔

تحقیق وثبوت

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح
عیاں ہے کہ قرآن وحدیث میں
یاجوج وماجوج کی جتنی علامتیں اور نشانیاں بیان کی گئی ہیں
وہ موجودہ دور کی بعض اقوام پر چسپاں ہوتی ہیں۔

ہمارے محقق علماء نے فیصلہ کر دیا ہے۔

یاجوج وماجوج هم التتر والمغول وفيهم الافرنج

یعنی یاجوج وماجوج تاتاری اور مغول ہیں اور فرنگی بھی
انہی میں داخل ہیں۔

مقدمہ تاریخ ابنِ خلدون میں اقلیم خامس کے بیان
میں موجود ہے کہ اس کا نواں جز ارضِ یاجوج وماجوج ہے۔

بائبل کی کتاب حزقیل کے باب ۳۸ میں ہے:
اور میں ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی
سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور تب وہ
جانیں گے کہ میں خداوند ہوں ——

قرآن وحدیث کے بیانات اتنے واضح اور روشن ہیں
جن کو سامنے رکھ کر ہم یاجوج وماجوج کو تلاش کرسکتے ہیں
اور انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

فتح الباری شرح بخاری شریف میں ہے کہ یہ قوم
بنی آدم سے ہے۔ اگر اس میں کچھ اختلاف ہے تو طرز فکر و
استدلال کا ہے۔ عقیدے کا اختلاف نہیں۔ جس قوم یا
قوموں پر قرآن وحدیث کی بیان کردہ نشانیاں چسپاں
ہوجائیں، وہی یاجوج وماجوج ہیں جن کی سب سے بڑی

نشانی قرآن نے ظلم و فساد بتلائی ہے۔

سکندر ذوالقرنین جب شمال کی جانب سیر کو گئے تو وہاں کی ایک قوم نے اُن سے یاجوج و ماجوج کے ظلم و فساد کی شکایت کی اور درخواست کی کہ وہ انھیں اُن سے نجات دلائیں۔ اس پر سکندر نے اس قوم اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک دیوار بنادی جو سدِّ سکندری کے نام سے مشہور ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں کیا ہے۔

قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ۔

اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج زمین میں بڑا فساد کرتے ہیں۔

سکندر ذوالقرنین سکندرِ اعظم سے مختلف شخصیت ہیں جن کا شمار مرسلین میں ہوتا ہے۔

اس بنا، پر دنیا میں جتنی بھی ظالم و مفسد قومیں گذری ہیں یا اب موجود ہیں، اُن سب پر یاجوج و ماجوج کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو قربِ قیامت کی پہلی نشانی ہے۔

اگر ہم کسی خاص قوم کو یاجوج و ماجوج قرار دیں تو اس سے ان کے خروج و غلبے کے عقیدے میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ پختگی آجاتی ہے اور قرآن وحدیث

کی صداقت و عظمت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔

ایک قابل غور نکتہ

تفاصیل مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کے ارضی کمال اور مادی ترقی کا آخری نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے۔ دنیا کی تمام چھوٹی قومیں اور پس ماندہ ممالک اُن کی ترقی کو دیکھ دیکھ کر پاگل ہوئی جارہی ہیں۔ دنیا میں ٹیکنالوجی ــــ اور سائنٹیفک ترقی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ انسانیت مذہب اور اخلاق کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ مادہ ہی مادہ دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے، خدا اور اس کی قدرت و ربوبیت کا کائنات میں کوئی جلوہ اور اشارہ نظر نہیں آتا حالانکہ آثارِ قدرت ذرّے ذرّے سے عیاں ہیں، آسمان و زمین کی ہر چیز خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی وحدانیت و حکمرانی کی گواہی دے رہی ہے۔ دنیا کے حالات و واقعات چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ اس اندھی مادی ترقی کا انجام و مآل تباہی ہے اور جوں جوں ترقی یافتہ انسان خدا سے دور ہوتا جارہا ہے قیامت قریب آتی جارہی ہے مگر عقلائے دہر ہیں کہ وہ اندھے، بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں۔

سب سے زیادہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بھی اسی ڈگر پر گامزن ہیں۔ وہ بھی مادہ پرستوں جیسی بولیاں

بول رہے ہیں، انھیں کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں، انھیں کی طرح ان کو بھی دین، اخلاق اور انسانیت کی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی اور پروانہ وار تہذیبِ مغرب کے جہنم میں گرتے جارہے ہیں۔

اس خواہش وکوشش میں تو وہ مجبور بھی ہیں اور حق بجانب بھی کہ اس سائنٹفک دور میں کوئی قوم ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کے بغیر نہ اپنی زندگی اور آزادی کو برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ اپنے قومی وجود کا تحفظ کرسکتی ہے، اس لئے انھیں بھی سائنٹفک ترقی کی دوڑ میں اپنے دشمنوں سے پیچھے نہ رہنا چاہیے اور حتی الامکان مادی ترقی میں کوئی کمی وکوتاہی نہ کرنی چاہیے، مگر یہ نہیں کہ مادی ترقی کی دُھن میں خدا، مذہب، اخلاق اور آخرت سب چیزوں کو بھول جائیں، اپنی تہذیب وروایات سے بیزار ومتنفر ہوجائیں اور اسلام کو ماضی کی پارینہ داستان بنا کر طاق نسیاں پر رکھ دیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کے پاس اس کی کیا دلیل ہے اور کونسی مجبوری ہے کہ وہ یاجوج وماجوج کو اپنا رہنما بنالیں جبکہ اُن کے پاس وحی ونبوت کی روشنی موجود ہے اور قرآنِ حکیم انھیں ایسی تقلید سے روک رہا ہے۔ شاید انھیں خدا اور اس کے رسول ص کی ہدایت ورہنمائی پر یقین

نہیں رہا، آخرت پر ایمان اور قیامت کا ڈر نہیں رہا تب ہی تو بے تکلفی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ سب من گڑھت افسانے ہیں۔ اس دور میں بھلا خدا اور مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ خدا اور مذہب کے بغیر بھی ہمارے سب کام چل رہے ہیں اور ہم ترقی کی منزلیں طے کرتے چلے جارہے ہیں۔

مگر مادی ترقی کی اس دُھن کا نتیجہ آخرت کے ضیاع کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ قیامت کا آنا برحق ہے۔ جس کے آثار شروع ہوگئے ہیں۔ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ وقت ہے کہ مسلمان دین واخلاق اور آخرت کی طرف رجوع ہوجائیں۔

خروجِ دجّال

یاجوج وماجوج کی طرح خروج دجال بھی قیامت کا دوسرا مقدمہ ہے۔ جس طرح ہمارے یہاں یاجوج وماجوج کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں اسی طرح خروجِ دجال کے بارے میں بھی جانے کیا کیا کہا جاتا ہے۔ قیامت کے اِن دونوں مقدموں کو بحثوں کے چکّر میں ڈال کر اور تاویلوں کے جال میں الجھا کر ہم اِن دونوں عقیدوں کی اہمیت وافادیت کو گم کردیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ہم کیا کررہے ہیں؟ اور کدھر جارہے ہیں؟

اللہ ہمیں بصیرت وہدایت دے۔

امام شوکانی اپنے رسالہ "توضیح" میں فرماتے ہیں:۔

"دجال کے ثبوت میں سو احادیث وارد ہیں"

اس اعلان سے اُن کی غرض مسلمانوں کو یہ ذہن نشین
کرانا ہے کہ دجال کا وجود محض فرضی اور وہمی نہیں بلکہ دجال
کے قصے کی احادیث حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔ اس کا وجود
قطعی الثبوت ہے اور اس کی پہچان و علامت بھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادی ہے۔

الا احدثکم حدیثاً عن الدجال ما حدث بہ نبی قومہ
انہ اعور وانہ یجیئ معہ بمثل الجنۃ والنار فالتی یقول
انھا الجنۃ ھی النار وانی انذرکم کما انذر بہ نوح قومہ۔

میں تم سے دجال کی حدیث بیان کرتا ہوں، جو کسی نبی
نے نہیں کی۔ وہ کانا بھینگا ہوگا اور اپنے ساتھ جنت و
دوزخ کی مثال رکھے گا جس کو وہ جنت کہے گا وہ حقیقت
میں دوزخ ہوگی۔ میں تم کو اس سے ڈراتا ہوں جس طرح
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔

بخاری و مسلم کی احادیث میں دجال کے اور تصرفات
بھی مذکور ہیں جو یہ ہیں:-

(۱) جو قوم اس کو اپنا خدا مان لے گی وہ اس پر مینہ برسادے گا
جس کی وجہ سے اس کے کھیت لہلہائیں گے (زرعی
ترقی خوب ہوگی)

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ دنیا میں آج تک
کوئی ایسی احمق و کودن قوم نہیں گذری جس نے اپنے خود
ساختہ اور من مانے خداؤں کو زبان سے خدا کہا ہو بلکہ وہ
خدا تعالےٰ کے اوصاف و خصائص کو اپنے بنائے اور مانے
ہوئے خداؤں میں ثابت کرتی رہی ہیں اور اب بھی کررہی
ہیں جیسا کہ آج کی مادہ پرست قوموں نے قوم و وطن کو خدا
بنا رکھا ہے۔ اسی طرح جو قوم دجال کو خدا مانے گی وہ زبان
سے اُسے خدا نہ کہے گی بلکہ اُس سے ڈر کر اسے اپنا حاجت روا،
مشکل کشا، ہادی اور ان داتا مان لے گی۔

حدیثوں میں مزید خبر دی گئی ہے کہ۔

(۲) اُن کی گائے، بھینس اور بکریاں خوب دودھ دیں گی
اور موٹی تازی ہوجائیں گی۔

(۳) دجال ایک اجاڑ زمین پر گذرے گا، اس سے کہے گا تو
اپنے خزانے نکال، پس اُس کے خزانے اس کے پیچھے
پیچھے ہوں گے

(۴) ایک مومن شخص کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کو زندہ کر
دے گا لیکن مومن کہے گا کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تو
دجال موعود ہے۔ اس کے بعد وہ پھر کسی کو قتل نہ
کرسکے گا۔

(۵) اُس کے ساتھ روٹیوں کا ایک پہاڑ اور پانی کی نہر بھی ہوگی جو قوم اس کو خدا نہ کہے گی، اس پر قحط سالی مسلط ہوجائے گی۔ اس کے مویشی ہلاک ہوجائیں گے، مال ومتاع تباہ ہوجائے گا۔

(۶) وہ شام وعراق کے درمیان سے نکلے گا، چالیس دن میں زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دے گا۔ چالیس دن میں پہلا دن ایک برس کا، دوسرا ایک مہینے کا اور تیسرا ایک ہفتے کا، باقی دن ویسے ہی ہونگے جیسے معمولی دن ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوجائے گا۔ ایک فرقہ کا دجال کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ دراصل شیطان ہی ہے اس کا مظہر ایک بہکا ہوا فلسفی تھا جو بالآخر مسلمان ہوگیا تھا۔ ایک بڑی قوم ایک دوسرے دجال کو مانتی ہے اس کے پیادہ وسوار ہیں جو تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں اور انھوں نے شراب وزنا کو بھی حرام نہیں رکھا۔ ایک آدمی کو خدا بنانے میں اربوں روپیہ خرچ کردیا۔ قوم یہود کا دجال ابن صیاد تھا، جو مدینہ میں گذر گیا۔

دجال کے بارے میں جو تاویلیں کی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دجال کے گدھے سے مراد ریل گاڑی ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دجال کی خبر دی تھی مگر لوگوں نے بڑی بیباکی سے بہت سے دجال نکال مارے۔ یہودیوں کا الگ، عیسائیوں کا الگ، ان سے پوچھنا چاہیئے کہ ہندوؤں کا دجال کہاں ہے؟ اسی طرح دیگر مذاہب کے دجالوں کا پتہ بھی لگانا چاہیے۔

دابّۃ الارض

قیامت کے مقدمات میں سے تیسرا مقدمہ دابّۃ الارض ہے۔ جس کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے — ہمارے اہلِ علم یاجوج وماجوج اور دجال کے بارے میں مختلف تاویلات میں اُلجھے ہوئے ہیں اور کسی ایک متفقہ فیصلے اور نتیجے پر نہیں پہنچتے۔ تاہم اللہ اور اللہ کے رسول ص کے ارشادات عالیہ اپنی جگہ صحیح اور برحق ہیں۔ ان پر ہر مسلمان کو پختہ یقین وایمان رکھنا چاہیے خواہ کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ملاحدہ، فلاسفہ اور عقل کے پجاریوں سے ہرگز شرم کرنا اور ڈرنا نہ چاہیئے۔

دابّۃ الارض کا مسئلہ اور عقیدہ بھی بازیچۂ اطفال بنا ہوا ہے۔ دابہ کے لغوی معنےٰ زمین پر چلنے والی چیز کے ہیں۔ بخاری ومسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے ایک حیوان نکلے گا۔ ترمذی وابنِ ماجہ کی حدیث میں اس کا کام اور اس کی علامت یہ بتلائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دابۃ الارض نکلے گا اور اُس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا عصا ہو گا اور حضرت سلیمانؑ کی مُہر ہو گی۔ پس مومن کا مُنہ روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر نشانی کر دے گا۔ مومن کو کہے گا اے مومن اور کافر کو کہے گا اے کافر یعنی دونوں میں فرق اور نشان کر دے گا۔

سورۂ نمل میں اس کا ذکر یوں ہے :۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ بِاَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

جب قرآن کا وعدۂ قیامت قریب آنے کو ہو گا تو ہم اُن کے لئے زمین کا ایک حیوان نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا۔ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ کرتے تھے۔

غرض وہ لوگوں سے کلام کرے گا اور مومن و کافر میں فرق کر دے گا۔ رہی یہ بات کہ وہ کیسا حیوان ہو گا؟ اس کا جواب کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا۔ اُس کی صورت اور تعین کے متعلق جتنے بھی اقوال ہیں وہ قابلِ اعتماد اور لائقِ یقین نہیں۔ قرآن و حدیث کے الفاظ کے مطابق کوئی حیوان ہو، کسی جنس کا ہو اور کہیں سے نکلے وہ نکلے گا ضرور۔ قیامت سے پہلے اُس کے نکلنے، حیوان ہونے اور لوگوں سے کلام کرنے اِن تین

باتوں پر یقین و ایمان رکھنا چاہیے۔

قیامت کی دو اور نشانیاں

آفتاب کا مغرب سے نکلنا یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے، جو حدیثِ اوّل میں بیان ہوئی ہے۔ بخاری اور مسلم میں ایک اور حدیث ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے ابوذر! تو جانتا ہے کہ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے“؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسولؐ ہی جانتا ہے (مجھے معلوم نہیں) آپ نے فرمایا ”یہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر مشرق کی طرف سے نکلنے کی اجازت مانگتا ہے۔ بارگاہِ ایزدی سے اس کو اجازت دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ وہ وقت آئے کہ وہ مشرق سے نکلنے کی اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ دی جائے اور کہا جائے کہ جدھر سے آیا ہے اُدھر ہی پھر جا۔ پس وہ مغرب سے طلوع کرے گا“۔

اِس کے علاوہ ایک نشانی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دابّہ کے بعد ملک شام کی طرف سے ایک ہوا چلے گی جس کی وجہ سے دنیا میں کوئی اہلِ ایمان زندہ نہ رہیگا۔ پھر حبشہ کے

کافروں کی حکومت ہوگی، وہ غالب آجائیں گے۔ خانۂ کعبہ
کو گرا کر اس کے خزانے لے لیں گے۔ فسق و فجور عام طور پر
پھیل جائے گا۔ حتیٰ کہ لوگ ماں بہن سے زنا کریں گے۔
قرآن دلوں سے محو ہو جائیگا۔ شر و فساد دنیا کو برباد کر دے
گا۔ طرح طرح کی بیماریاں آئیں گی۔ قحط سالی دنیا والوں کا
جینا مشکل کر دیگی اور پھر سے لات و عزیٰ کی پرستش شروع
ہو جائے گی۔

اس کے بعد ایک آگ ظاہر ہوگی جس کا طول و عرض
بہت زیادہ ہوگا۔ لوگ سمٹ کر ملک شام میں جمع ہو جائیں
گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ یمن سے پیدا ہوگی اور
لوگوں کو شام میں جمع کر دیگی۔ جہاں حشر ہوگا۔

علاوہ ازیں احادیث میں اور بھی کئی چھوٹی بڑی نشانیاں
بیان کی گئیں ہیں، جو یہ ہیں:۔

علم اُٹھ جائیگا۔ جہالت زیادہ ہوگی۔ زنا اور شراب
کا استعمال عام ہو جائیگا۔ عورتیں بہت زیادہ اور مرد بہت
کم ہو جائیں گے یہاں تک کہ بیس عورتوں کی صرف ایک
شخص کفالت کرے گا۔ خاوند عورتوں کے تابع اور ماں باپ
کے نافرمان ہونگے۔ دوستوں اور والدین سے قطع تعلق کریں
گے، علم کو دین کی بجائے دنیا کے لئے پڑھا جائیگا۔ لوگ

امانت میں خیانت کریں گے۔ زکوٰۃ کو ایک جرمانہ اور
ناقابل برداشت بوجھ سمجھیں گے۔ مساجد میں شور و غل اور
دنیاوی باتوں کا عام چرچا اور رواج ہو جائے گا۔ کمینے
اور ذلیل لوگ قوم کی رہنمائی اور سرداری کریں گے اور
بڑے بڑے کام نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ لوگ
متقدمین پر لعنت کریں گے (اپنے آپ کو بڑا فرزانہ اور باکمال
سمجھیں گے) نیکی کی جگہ بُرے کاموں کی اشاعت ہوگی۔
نصاریٰ ابر کی طرح تمام دنیا پر چھا جائیں گے۔ سخت اور
سرخ رنگ کی آندھیاں آئیں گی۔ زلزلے آئیں گے۔ زمینیں
دھنس جائیں گی۔ صورتیں بدل جائیں گی اور پتھر برسیں گے۔

یہ علامات صغریٰ کہلاتی ہیں۔ یعنی چھوٹی نشانیاں
جو آج واقعات کی دنیا میں سب کے سامنے ہیں اور اِن
احادیث کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں جو کتب حدیث
نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے پیش کی تھیں۔

اِن کے علاوہ دس علاماتِ کبریٰ یعنی بڑی علامتیں
ہیں، وہ یہ ہیں:۔

حضرت حذیفہ بن سید غفاریؓ سے مروی ہے کہ ہم کچھ
ذکر کر رہے تھے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس
تشریف لائے اور پوچھا "تم کیا ذکر کر رہے ہو؟" صحابہؓ نے

عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو
لو سنو جب تک تم دس علامتیں نہ دیکھ لوگے تب تک
قیامت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ نے ان علامتوں میں
دخان۔ دجال۔ دابہ۔ طلوع شمس عن المغرب، نزول عیسیٰ
بن مریمؑ، خروج یاجوج وماجوج۔ خسف بالمغرب، خسف بجزیرۃ العرب
کا ذکر کیا ہے اور سب سے آخر یہ کہ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں
کو محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی یہ ہیں قیامت کی علامت صغریٰ وکبریٰ۔

علاماتِ قیامت

علاماتِ قیامت و شرائطِ ساعت کے
متعلق جتنی بھی قرآنی آیات اور
احادیث صحیحہ ہیں، اُن کے متعلق ائمہ وعلماء کا فیصلہ یہ ہے
کہ اُن کو ظواہر پر ہی محمول کرنا چاہیے اور ان کے متعلق
وہی عقیدہ رکھنا چاہیے جو اکابر سلف کا تھا۔
شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ اپنی کتاب "یواقیت الجواہر
فی بیان العقائد الاکابر" میں فرماتے ہیں:۔
"قیامت کی وہ تمام شرطیں جن کی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ قیامت سے پہلے ضرور واقع ہونگی
جیسے مہدیؑ کا آنا، پھر دجال کا ظاہر ہونا، پھر عیسیٰ علیہ السلام
کا نازل ہونا، دابہ کا نکلنا، آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا
وغیرہ یہ تمام نشانیاں ظاہر ہو کر رہیں گی۔

ان کو ظواہر پر محمول کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام فکر و
تدبیر اور عقل وبصیرت کی راہیں بند کرنا چاہتا ہے، اس نے
تو اس کی بار بار تاکید کی ہے۔ وہ سراسر علمی وعقلی مذہب ہے
اکابر نے روکا اس لئے ہے کہ زمانہ فتنوں سے بھرپور ہے
دلوں میں کھوٹ اور نیتوں میں فتور ہے اور تمام اہلِ علم
اجتہاد وقیاس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

امام مہدیؑ

صدیوں سے بلا اختلاف مسلمانوں میں
یہ بات مشہور ہے اور خواص وعوام کا
یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آخر زمانے میں امام مہدیؑ آئیں
گے جو اہلِ بیت میں سے ہونگے، دینِ حق کو قائم وغالب
کریں گے اور حق پرستوں کا بول بالا ہوگا۔ وہ دنیا میں
عدل وانصاف کو پھیلائیں گے، دنیا بھر کے مسلمان ان
کے ساتھ ہوجائیں گے، اُن کا اثر واقتدار تمام ممالکِ اسلامیہ
پر چھا جائے گا۔ پھر اُن کے بعد دجال آئیگا اور قیامت کی
دوسری نشانیاں ظاہر ہوں گی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں
آتا ہے۔
اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ امام
مہدیؑ بھی ان کے ساتھ ہونگے۔ دونوں مل کر دجال کو قتل
کریں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام نماز میں امام مہدی کی اقتداء

کریں گے۔

ان عقائد کے بارے میں ہمارے علماء قرآن کریم سے بھی حجت لاتے ہیں اور ان احادیثِ صحیحہ سے بھی جن کو ائمۂ حدیث نے نقل کیا ہے۔ وہ سچے دل سے ان عقائد پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان عقائد میں کسی قسم کی کتر بیونت کریں اُن میں سے کسی عقیدے کی تاویل گھڑیں، کوئی نیا فتنہ کھڑا کریں، کوئی اور دعویٰ کریں اور خواہ مخواہ مسلمانوں میں اختلاف ونفاق کی آگ بھڑکائیں۔ وہ تو بس ان عقائد کے بارے میں اسلافِ کرام کے مسلک پر ہی قائم رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اسی میں حق وعدل اور امن وسلامتی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ان عقائد میں سے بعض عقائد کے متعلق متقدمین میں اختلاف بھی پایا گیا ہے۔ وہ ان سے متعلقہ احادیث میں کلام کرتے ہیں مگر ان کا یہ اختلاف وکلام نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اس میں کسی قسم کی فرقہ بندی خودغرضی، نفاق انگیزی اور گمراہی کو دخل نہیں۔ یہ اختلاف رحمت ہے جس سے نصوصِ کتاب وسنت کی حکمت وہدایت کے مخفی پہلو اجاگر ہوتے اور اسلام کی صداقت وعظمت کو کو چمکاتے ہیں۔

اگر کوئی عالم ومحقق نیک نیتی اور دلائل کے ساتھ کسی عقیدے سے اختلاف کرے اور ایمان باآلاخر کو کسی قسم کا ضعف ونقصان نہ پہنچے، مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کی آگ نہ بھڑکے تو یہ علم پروری ہوگی نہ کہ فتنہ انگیزی۔

عقائد میں اختلاف

چودہ سو سال سے یہ عقائد متفق علیہ چلے آرہے ہیں اور قیامت تک چلے جائیں گے۔ مسلمانوں کا ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان ہے اور یہی چیز ان کو عقیدۃً اسلام کی صراطِ مستقیم پر قائم رکھے ہوئے ہے۔ کسی مسلمان کے دل ودماغ میں اس کا وہم وگمان بھی نہیں گذر سکتا کہ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی نبی آسکتا ہے۔ وحیِ نبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لئے کلیتہً وقطعاً ختم ہوگیا۔ وہ یہ سننا تک گوارہ نہیں کرتے کہ ہمارے آخری نبی کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ امت مسلمہ کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن میں ہزار فرقے اور لاکھ اختلاف سہی اور جو اُمت بے نظام، بے امام، بے مرکز اور بے مقصد ہوجائے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے مگر اس کے باوجود ختم نبوت

کے عقیدے نے ان کو عقیدۃً ایک اُمت بنا رکھا ہے۔
ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جو توحید و نبوت اور
ختمِ نبوت پر ایمان رکھتا ہو۔

اگر اُمت کا سوادِ اعظم ختمِ نبوت کے عقیدے پر قائم
نہ رہتا تو مسلمان کبھی کے مٹ گئے ہوتے ـــــ مگر
زمانے کی ستم ظریفی اور مسلمانوں کی بدبختی کہ کفر و نفاق نے
ادعائے نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ بعض سیاسی طاقتوں
کے پروردہ ذہنوں میں خانہ ساز نبوت کا سودا سما گیا۔
مسئلہ ختمِ نبوت کو بازیچۂ اطفال بنا لیا گیا اور یاجوج و ماجوج،
ظہورِ مہدیؑ اور نزولِ عیسیٰؑ سے متعلق جتنی قرآنی آیات
اور احادیث نبویہؐ تھیں ان کو مجروح و مخدوش بنا ڈالا گیا۔
جس آیت اور جس حدیث کو چاہا اس کو حسب ضرورت
تاویل کی سان پر چڑھا کر کچھ سے کچھ بنا دیا گیا کیونکہ ان سب
کے بغیر علمبردارانِ نبوت کا کام ہی نہ چل سکتا تھا۔

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ جہاد کو جو اسلامی
زندگی کی جان اور اصلاح و انقلاب کی بنیادی اینٹ تھی
منسوخ کرکے یہ چاہا کہ مسلمان من حیث القوم، فرمانروا
آقاؤں کے لئے ایک نوالۂ تر بن جائیں، اس طرح ایک
طرف اُن کی خود ساختہ نبوت کا کاروبار چلے دوسری طرف

آقاؤں کی خدائی کا سکہ رواں ہو اور وہ خوش و مطمئن
رہیں۔ یوں آثارِ قیامت سے متعلق آیات و احادیث میں
تاویلات باطلہ کا دروازہ کھل گیا، مسلمانوں میں ایک فتنۂ
عظیم رونما ہو گیا، پڑھے لکھے طبقے کو بہکانے اور اُن
کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

ائمۂ حدیث

صحیح العقیدہ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے
کہ ظہور مہدیؑ اور نزول عیسیٰؑ کے
بارے میں جو احادیث مروی ہیں، وہ غیر مستند اور قابلِ
شک و شبہ نہیں، نہ اُن میں عجمی سازش کا کوئی دخل ہے
بلکہ وہ سب مستند اور یقینی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت
سے ائمۂ حدیث نے امام مہدیؓ کے بارے میں احادیث
نقل کی ہیں۔ مثلاً ترمذی، ابوداؤد، بزار، ابن ماجہ، حاکم
طبرانی، ابو یعلی الموصلی وغیرہ۔ ان ائمہ نے متعدد صحابہؓ سے
ان احادیث کی روایت کی ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت
ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابن مسعودؓ
حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابی سعید الخدریؓ،
حضرت اُم حبیبہؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت ثوبانؓ وغیرہ۔
ان احادیث کی اسانید پر مخالفین کو اعتراض ہے مگر ذرا
غور تو فرمائیے کہ اتنے ائمۂ حدیث اور اتنے اکابر صحابہؓ کی

اسانید ناقابل اعتبار ہیں تو باقی تمام احادیث کی کیا حیثیت
ہوگی؟ کیا اس طرح انکارِ حدیث کے فتنے کو تقویت نہیں
پہنچتی؟ یہ کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ سرے ہی سے تمام احادیث
کا دفتر ناقابل اعتبار ہے اور حدیث کا دین میں کوئی مقام
نہیں مگر اس کے بعد قرآن کا درجہ کیا ہوگا اور ہم مستشرقین
کے مقابلے میں کب ٹھہر سکیں گے!

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کی اسانید میں کوئی کھوٹ
نہیں بلکہ مخالفین ہی کے دلوں میں کھوٹ اور نیتوں میں
فتور ہے۔ ورنہ پرانے زمانے کے متقی اور محقق علماء کو ایسی
باتیں کیوں نظر نہیں آئیں؟

یہ اصول اہلِ حدیث کے نزدیک مسلّم بھی ہے اور
مشہور بھی کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے اِس اصول
کی بناء پر اگر اِن احادیث کی سند میں کسی راوی کو ضعیف
ٹھہرایا جائے، اُس کے حافظہ اور روئیے میں کوئی سُقم
نکالا جائے یا اس کو غفلت سے متہم کیا جائے تو خود حدیث
درجۂ صحت سے گر جاتی ہے اور قابلِ اعتماد نہیں رہتی۔ بات
اگر یہی تھی تو دنیائے اسلام اب تک کیوں ظہورِ مہدی ؑ اور نزولِ
عیسیٰ ؑ کے عقیدے پر قائم رہی!

ہمارے ائمہ وعلماء نے امام مہدی ؑ کے بارے میں

احادیث جمع کرنے میں بڑے فکر و اہتمام اور نہایت استیعاب
سے کام لیا ہے۔ مخالفین کے کلام کو صرف یہی ایک بات
ناقابلِ اعتبار ٹھہرا دیتی ہے۔ سہیلی نے کہا ہے کہ بروئے سند
سب سے غریب حدیث وہ ہے جس کی روایت ابوبکر الاسکاف
نے فوائد اخبار میں بہ سند مالک بن انس رضؓ عن محمد بن المنکدر
عن جابر رضؓ سے کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ "رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے مہدی ؑ کی تکذیب کی وہ کافر
ہے اور جس نے دجّال کو نہ مانا وہ جھوٹا ہے"

معلوم ہوا کہ ہمارے اربابِ فکر و نظر علماء احادیث
زیرِ بحث کی جانچ پڑتال سے غافل نہ تھے۔ ان کی چھان
پھٹک میں انھوں نے کوئی کمی اور کوتاہی نہیں کی۔

امام مہدی کے متعلق صحیح روایات

ترمذی اپنی سند اور زر بن حبیش کے طریق پر حضرت
عبداللہ بن مسعود رضؓ سے مہدی ؑ کی ایک حدیث لائے ہیں
اور ابوداؤد نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:۔

لَو لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذَالِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى

يَبْعَثَ اللّٰهُ فِيْهِ رَجُلاً مِّنِّيْ اَوْمِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ
اِسْمِيْ وَاِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمَ اَبِيْ۔

ترجمہ:۔ اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن رہ جائے تو اُس کو بھی اللہ تعالیٰ دراز کردے گا یہاں تک کہ مجھ سے یا میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو میرا ہم نام ہوگا اور اس کا باپ میرے باپ کے ہم نام ہوگا۔

یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، انھوں نے اس پر سکوت کیا ہے یعنی اس کی صحت یا عدم صحت کو بیان نہیں کیا مگر یہ حدیث حسن ضرور ہے۔ ترمذی کے الفاظ یوں ہیں:۔

لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ
مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ

ترجمہ:۔ دنیا ختم ہی نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک نہ ہوجائے گا جو میرا ہم نام ہوگا۔

یہ دونوں حدیثیں حسن ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے موقوفاً بھی نقل کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ثوریؒ، شعبہ، زائدہ اور دوسرے ائمۂ مسلمین نے عاصم سے روایت کیا ہے کہ جن طریقوں میں

عاصم نے زرّ سے اور زرّ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے وہ سب کے سب صحیح ہیں کیونکہ عاصم کو قابلِ صحت مانا گیا ہے۔

ابوداؤد حضرت علیؓ سے ایک اور روایت لائے ہیں۔ طریق سندیوں ہے قطن بن خلیفہ قاسم بن ابی مُرّہ سے، انھوں نے ابی الطفیل سے اور اُنھوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر زمانہ ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن رہ گیا تو بھی اللہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے اس طرح بھردے گا جیسی وہ اس سے پہلے ظلم وستم سے بھری ہوگی۔

قطن بن خلیفہ کی احمد، یحییٰ، ابن القطان، ابن معین اور نسائی وغیرہ نے بھی توثیق کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تو ضرور ہے مگر شیعیت کی طرف مائل ہے۔

ابوداؤد، مروان بن المغیرہ سے روایت کرتے ہیں، وہ عمر بن ابی قیس سے، وہ شعیب بن ابی خالد سے اور وہ ابی اسحٰق النسفی سے کہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حسنؓ کے لئے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شبّیر کہا ہے۔ اس کی نسل میں سے ایک

شخص پیدا ہوگا، جو تمھارے نبی کے ہم نام ہوگا۔ صورت
میں مخالف اور سیرت میں اُن سے ملتا ہوا۔ وہ روئے زمین
کو انصاف سے بھر دے گا۔

ہارون کہتے ہیں کہ ہم سے عمر بن ابی قیس نے، انھوں
نے مُطرف بن طَریف سے، انھوں نے ابی الحسن سے،
انھوں نے ہلال بن عمر سے، روایت کی کہ میں نے حضرت
علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ ماوراء النہر سے ایک شخص حرث نامی ظاہر ہوگا جس
کے مقدمۃ الجیش میں منصور ہوگا۔ یہ آلِ محمدؐ کی سلطنت قائم
کرے گا جس طرح قریش نے مجھے تقویت پہنچائی۔ جب یہ
ظہور کرے تو تمام مسلمانوں پر اس کی مدد و نصرت واجب
ہے۔

حاکم نے مستدرک میں علی بن نفیل سے روایت کی
ہے، انھوں نے سعید بن المسیّب سے اور انھوں نے
حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مہدیؑ
حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے!۔ دوسری روایت
کے الفاظ یہ ہیں۔ مہدی کا آنا بالکل حق ہے اور وہ فاطمہؓ
کی اولاد سے ہونگے۔

حضرت اُم سلمہؓ ہی سے ایک روایت اور ہے۔ وہ
کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے
ہوئے سنا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت خلافت کے
بارے میں جھگڑا ہوگا تو ایک شخص مدینے سے بھاگ
کھڑا ہوگا اور مکّہ میں جاکر دم لے گا وہاں اہل شہر جمع ہوکر
اس سے بیعت کریں گے۔ حالانکہ وہ اس پر راضی نہ ہوگا
پھر شام کی طرف سے اس پر فوج کشی ہوگی مگر وہ فوج
مکّہ اور مدینہ کے درمیان جنگل میں کہیں دھنس جائے گی۔
جب شام و عراق کے لوگ اس عجیب و غریب امر کو دیکھیں
گے تو جوق در جوق آکر اس سے بیعت کریں گے۔ پھر
قریش میں سے ایک شخص بنی کلب کا اٹھ کھڑا ہوگا۔
پھر حاصل کردہ مال کو وہ شخص اپنے متبعین میں تقسیم کردے
گا اور سنت نبوی کو زندہ کرکے لوگوں سے اس پر عمل
کرائے گا۔ اسلام تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا اور
سات یا نو سال تک یہی حال رہے گا۔

اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ جو طعن و قدح
سے بری ہیں۔

امام مہدی کی نشانیاں

اسی طرح اور بھی
بہت سی صحیح احادیث

کتب حدیث میں آئی ہیں جن سے یقینی طور پر یہ عقیدہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ظہورِ مہدیؑ قیامت کی علامتوں میں سب سے بڑی علامت ہے۔ مہدی کا آنا برحق ہے اس پر ایمان رکھنا چاہیئے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امام مہدیؑ کے آنے کی خبر دی ہے وہاں اُن کی ایسی صاف صاف نشانیاں بھی بتلائی ہیں۔ جن کی شناخت میں کسی طرح کا اشتباہ پیدا نہیں ہوسکتا اور کوئی مسلمان دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ وہ نشانیاں یہ ہیں :-

۱ مہدیؑ میری اولاد میں ہوں گے۔

۲ ان کا نام محمدؐ، باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔

۳ وہ حضرت امام حسن رضؓ کی اولاد سے ہوں گے۔

۴ پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی۔

۵ زبان میں لکنت ہوگی۔ جب گفتگو میں تنگ ہوں گے تو زانو پر ہاتھ ماریں گے۔

۶ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

۷ خوشحالی اور مالی فراوانی کا دور دورہ ہوگا۔

۸ چالیس سال کی عمر میں ظاہر ہوں گے۔

۹ آپ کے ظہور سے پہلے ساری دنیا میں کفر کا غلبہ و تسلّط ہو جائیگا اور اس وقت کے اولیاء حرمین میں جمع ہوکر امام مہدیؓ کا انتظار کریں گے۔

۱۰ اس انتظار کی حالت میں آپ مدینے سے مکّہ آئیں گے۔ رمضان کا مہینہ ہوگا۔ لوگ آپ کو پہچان لیں گے اور بیعت کی درخواست کریں گے مگر آپ انکار فرمائیں گے۔ بالآخر لوگ آپ سے بیعت کر ہی لیں گے۔

۱۱ آپ سب کو ہمراہ لے کر ملک شام میں آئیں گے جہاں نصاریٰ کے ایک عظیم الشان لشکرِ جرار سے مقابلہ کریں گے اور کامیاب ہوں گے۔ پھر قسطنطنیہ پر حملہ کرکے اُس پر قبضہ کرلیں گے۔ مال غنیمت کو تقسیم فرمائیں گے۔ جب آپ وہاں سے فارغ ہوکر مع لشکر شام واپس آئیں گے تو دجال کے نکلنے کی خبر مشہور ہوگی۔

جھوٹے مہدی

مسلمانوں میں جس طرح صدیوں سے یہ عقیدہ مشہور و متوارث چلا آرہا ہے کہ آخر زمانے میں حضرت امام مہدیؑ آئیں گے۔ اسی طرح تاریخ یہ بھی بتلاتی ہے کہ دنیا میں کئی ایسے دجال، مفتری

اور کذاب ہوئے ہیں جنھوں نے امام مہدیؑ ہونے کا دعویٰ کرکے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ بعض مہدی اس زمانے میں بھی موجود ہیں جن کے دعوے تو بہت سے ہیں مگر حقیقتاً ان کا وجود ایک چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی کتابیں پڑھنے اور دعاوی سننے کے بعد ایک انسان حیران و پریشان ہوکر رہ جاتا ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور جب ہم اُن کو قرآن و حدیث اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو وہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی ثابت نہیں ہوتے۔

دنیا میں جتنے بھی جھوٹے مہدی گذرے ہیں وہ سب کے سب ارشادات نبوی کی روشنی میں مفتری وکذاب ثابت ہوئے اور ثابت ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ سچے اور حقیقی امام مہدیؑ آئیں گے اور وہ تمام نشانیاں جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں واقعات کی دنیا میں ظاہر و روشن ہوجائیں گی۔

آج بھی اگر کسی کا گمان فاسد یہ ہے کہ مہدی کا ظہور ہوچکا ہے تو وہ اپنے مہدی میں ان علامتوں کو ثابت کرے جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ صورت وسیرت اور نام کو توزبردستی اور ڈھٹائی کے ساتھ کھینچ تان کر خودساختہ مہدی پر چسپاں کیا جاسکتا ہے مگر جو واقعات وحالات مہدیؑ سے منسوب

کیے گئے ہیں، ان کو ہرگز ہرگز کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اِن حالات میں کوئی پاگل اور مراقی ہی ہوگا جو کسی خودساختہ مہدی کو مہدیؑ مان لے اور عقل ومذہب دونوں کو طلاق دیدے۔

مہدویت کی حقیقت

لوگ مدعیانِ کاذب سے اس لئے بھی دھوکہ کھاجاتے ہیں اور آج بھی کھا رہے ہیں کہ وہ مہدویت کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ایسے لوگ جنھوں نے توحید ورسالت اور جہاد کی حقیقت کو نہیں سمجھا، وہ اگر اہلِ باطل کے جال میں پھنس جائیں تو کوئی تعجب اور حیرانی کی بات نہیں کیونکہ عموماً نہ لوگوں میں دین کا علم ہے اور نہ اسلامی زندگی کی پیاس اور طلب۔

آج کے دور میں کفر والحاد، شرک وبدعت، فسق وفجور اور ظلم وفساد کا غلبہ ہے۔ اکثریت خدا کی نافرمان، منکر اور باغی بنی ہوئی ہے۔ بدی کا زور ہے اور نیکی مغلوب ومقہور ہورہی ہے۔ باطل چھایا ہوا ہے حق صرف عقیدوں اور کتابوں تک محدود رہ گیا ——— کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خدا کے باغی ونافرمان انسانوں نے اللہ تعالٰے کی قدرت، حاکمیت، مشیت اور ربوبیت کو نعوذ باللہ بیکار ومعطل کردیا ہے۔

ہرگز نہیں۔ اس کی قدرت و مشیت برابر کار فرما ہے۔ دنیا میں یہ جو حیوانی، مادّی اور ارضی ارتقاء ہو رہا ہے، یہ سب اسی کے بنائے ہوئے قانونِ طبیعی کے ماتحت ہو رہا ہے۔ تسخیرِ کائنات کا یہ عمل وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہ کی تفسیر ہے اور اس کی مادّی و جسمانی ربوبیت کا مظاہرہ ہے جس کے مظہر یاجوج و ماجوج ہیں۔ ترقی و کمال کے آخری نقطے یا مظہر کا نام دجال ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔

مادّی ترقی و کمال کے عمل کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی ترقی و کمال کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اللہ تعالےٰ کی شانِ ربوبیت اور وحی و نبوت کی ہدایت بھی دلوں اور دماغوں میں مسلسل اپنا کام کر رہی ہے۔ مقدس سلسلۂ فیوض منقطع نہیں ہوا ہے اور نہ قیامت تک منقطع ہوگا بلکہ حضرت امام مہدیؑ کے ظہور سے درجہ کمال پر پہنچے گا۔ مہدی ہدایت سے اسمِ مفعول ہے۔ اس کے معنے ہیں ہدایت کی گئی۔ یعنی مہدی وہ ہوگا جس کو اللہ کی طرف سے ہدایت کی گئی ہو کسی اور طریقے سے نہیں۔ کسی اور طریقے سے تو اللہ کے بہت سے نیک بندے ہدایت پا رہے ہیں اور طلبگاروں کو ہدایت دے رہے ہیں مگر ایسی ہدایت

سے کفر و ضلالت کا زور تو نہیں ٹوٹ سکتا۔ اس لئے حکمتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی یہ ہوئی کہ آخری زمانے میں امام مہدی کو مخصوص طریقے سے ہدایت دی جائے اور اُن کے ذریعہ حق کا بول بولا اور باطل کا منہ کالا ہو۔

یہ ہے مہدویت کی حقیقت۔

ظہورِ مہدی کیوں؟

دین کا بنیادی تصور یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کیا جائے، جو تمام ظالمانہ و مفسدانہ نظاموں کو مٹا کر امن و عدل قائم کردے۔ انسانوں کو صحیح معنوں میں آزادی مساوات اور اخوت سے ہمکنار کردے اور ہر فرد کے لئے اس کی فطری صلاحیتوں کے نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر بہم پہنچائے۔

اس نظام کو قائم کرنے اور چلانے کے لئے وہ جماعتِ مومنین پیدا کرتا ہے۔ ایک ایک فرد کو ایمان و عملِ صالح کی بنیاد پر تیار کرتا ہے اور اُن کو خیر الامم بنا کر منصبِ امامتِ اقوامِ عالم پر فائز کرتا ہے۔

تئیس سالہ دورِ خلافتِ راشدہ نے دنیا کو یہ سب کچھ کر دکھایا، جو شرفِ بشریت اور ارتقائے انسانیت کا آخری نقطہ عروج تھا مگر اس کے بعد ہی خلافت کی جگہ

ملوکیت نے لے لی اور مسلمانوں نے اپنی گمراہی، بدبختی اور محرومی کا سامان کر لیا۔ کافر و مشرک اور ملحد تو قانون ارتقاء پر ایمان لاکر، عملی جدوجہد اور ایثار و قربانی کی طاقت سے ابھر آئے اور دنیا پر چھا گئے مگر مسلمان اب تک دولت و اقتدار کے پجاری بنے ہوئے ہیں اور اسلام کی بدنامی و رسوائی کا سامان کر رہے ہیں۔

دنیا میں ستر کروڑ مسلمان ہیں مگر اسلام کے لئے بیکار۔ نہ کہیں اسلامی نظام ہے، نہ اسلامی معاشرہ اور نہ اسلامی سیرت و کردار لہذا وقت کا تقاضا ہے کہ یاجوج و ماجوج اور دجال خروج کریں اور امام مہدیؑ کا ظہور ہو۔

نزولِ حضرت عیسیٰؑ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا یہ اجتماعی عقیدہ چلا آرہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

مسلمان بتوفیقِ الٰہی بقدر فہم و استعداد اس عقیدے پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔

بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا "مجھ کو خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قریب ہے کہ تم میں مسیح ابنِ مریمؑ نازل ہوں گے، حکومت کریں گے۔ انصاف کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو موقوف کر دیں گے، مال کی کثرت ہو جائے گی، کوئی اس کو قبول نہ کرے گا۔ ایک سجدہ تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہو جائیگا" اس کی تصدیق کے لئے حضرت ابوہریرہؓ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی جس کا مطلب یہ ہے "نہیں ہے کوئی اہل کتاب میں سے مگر عیسیٰؑ کی موت سے قبل اس پر ایمان لائے گا" یعنی جو اہلِ کتاب اُس کا وقت پائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک دوسری حدیث بھی مروی ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت سے ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہیگا اور حق کے لئے لڑتا رہے گا۔ پس ابن مریمؑ نازل ہوں گے، مسلمانوں کے امیر امام مہدی ان سے کہیں گے کہ آیئے نماز کی امامت فرمایئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت فرمائیں گے۔ تم آپس میں ایک دوسرے پر امیر ہو"

مسلم میں ہی ایک اور طویل حدیث ابن سمعانؓ سے

مروی ہے :-

دجال کے خروج کے بعد اللہ تعالےٰ مسیح ابن مریمؑ
کو نازل کرے گا۔ آپ دمشق کے منارۂ شرقی پر اتریں گے۔
دو رنگین کپڑے پہنے ہوں گے، دو ہاتھ دو فرشتوں کے
کندھوں پر رکھے ہوں گے۔ جب سر نیچا کریں گے تو پسینہ
گرے گا اور جب سر اونچا کریں گے تو اس سے موتیوں
کی طرح قطرے گریں گے۔ جو کافر ان کے سانس کی ہوا پائے
گا وہ مر جائیگا۔ آپ دجال کو ڈھونڈیں گے۔ بالآخر اسے
پاکر بابِ لُد میں قتل کریں گے، پھر آپ کے پاس ایک
قوم آئے گی، جو دجال کے فتنے سے بچی ہوئی ہو گی۔ آپ
اُن کے چہروں سے گرد و غبار پوچھیں گے اور ان کو جنت کی
خوشخبری دیں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالےٰ ان کو وحی
کرے گا "مجھے اپنے بندے نکالنے ہیں جو ان کے مقابلے
اور لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے" پس اے عیسیٰ! تو میرے
بندوں کو جو تیرے ساتھ ہیں کوہِ طور کی طرف لے جا اور
اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالے گا"

یہ تینوں حدیثیں جو ناظرین کے سامنے ہیں۔ ان کی
صحت میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر کوئی
منکرِ حدیث ہو یا ان حدیثوں کو زبردستی اپنے مطلب کے

سانچوں میں ڈھالنا اور اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا
چاہے تو اس کی دوسری بات ہے۔ اس کا علاج سوا
اسلامی حکومت کے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

کتنے ظلم اور اندھیر کی بات ہے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کو بھی
کچھ سے کچھ بنا دیا جاتا ہے اور الفاظ و معانی کو مسخ کر
کے اپنا رنگ دیدیا جاتا ہے۔ اس طرح تو احادیث سے
جس کا جی چاہے ثابت کرتا چلا جائے اور اسلام کو یہودیت
بنا کر رکھ دے۔

بلاشبہ احادیث میں واقعات و حقائق کو استعارۃً
بیان کیا گیا ہے۔ مگر استعاروں اور مستعار لہ میں علم بیان
و معانی کی رُو سے کچھ تو مناسبت ہونی چاہیئے۔ بعض گروہوں
نے تو فکر و استدلال اور فصاحت و بلاغت کی مٹی ہی پلید
کر کے رکھ دی ہے۔

اُن کے فکر و استدلال کا کھوکھلا پن دکھانا ہمارے
موضوع سے خارج ہے ہمیں تو صرف صحیح اجماعی عقیدے
کی حفاظت کرنا اور مسلمانوں کو واقف کرنا ہے لہذا صرف
اشارات ہی کافی ہیں۔

ابنِ ماجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

معراج کی رات حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ
علیہم السلام سے ملے اور سب نے قیامت کا تذکرہ کیا۔
آپ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قیامت کی نسبت
ایک سوال کیا اور انھوں نے جواب دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام
سے سوال کیا۔ انھوں نے سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے
بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا۔
"خاص قیامت کا تو مجھے بھی علم نہیں یہ تو اللہ ہی جانتا ہے
مگر مجھے اس سے قبل کی باتوں کا علم دیا گیا ہے" آپ نے
دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اُسے قتل کروں گا۔ لوگ
اپنے گھروں کو جائیں گے راستے میں اُن کو یاجوج ماجوج
ملیں گے جو بلندی سے نکلیں گے، تمام پانی پی جائیں گے
تمام چیزوں کو خراب کر ڈالیں گے اور مسلمان ان سے عاجز
ہو جائیں گے۔

اس حدیث کے الفاظ اور معانی میں کسی قسم کا مغالطہ
نہیں ہے اور نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے۔

ائمہ اسلام کے ارشادات۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی
روایت کا خلاصہ بھی یہی ہے مگر ان کی روایت میں یہ بات
زیادہ ہے کہ "میں معراج کی رات ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ

سے ملا اور انھوں نے قیامت کا ذکر کیا۔" پہلی حدیث حکماً
مرفوع ہے اور دوسری حقیقتاً مرفوع ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت امام حسن بصریؒ سے مروی
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں، قیامت سے پہلے تمھاری
طرف آئیں گے۔

کنز العمال میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے
کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ نزول عیسیٰ کے بارے میں
انتیس ۲۹ حدیثیں ہیں۔

امام نوویؒ شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:۔
"حضرت عیسیٰ کا نازل ہونا اور ان کا دجال کو قتل کرنا
حق ہے اور اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے کیونکہ اس بارے
میں صحیح احادیث مروی ہیں اور عقل و شرع میں کوئی ایسی
چیز نہیں پائی جاتی جو اس کے خلاف ہو۔ پس مذکورہ بالا
دونوں امر ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کو ان احادیث صحیحہ پر
ایمان رکھنا چاہیے۔ ان کے ظاہری معنے مراد لیئے جائیں
اور اگر کوئی گمراہ سلف کے خلاف کوئی تاویل فاسد اور

قیل و قال کرتا ہے تو اس کا مطلق خیال نہ کرنا چاہیئے۔

حیاتِ مسیح

حدیثوں سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مسیح قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے وہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آپ آسمانوں پر موجود ہیں۔

انتیس ۲۹ حدیثیں جو نزول مسیحؑ کے بارے میں ہیں وہی حیاتِ مسیحؑ کے ثبوت میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں یعنی حیاتِ مسیحؑ کا مسئلہ نہ صرف حدیث سے ثابت ہوتا ہے بلکہ الحمد اللہ قرآن پاک سے بھی یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ تحقیق انیق میں فرماتے ہیں اور اس مشہور آیت اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الخ
کی تفسیر کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ کہ آیت کو بلا تقدیم و تاخیر اس کی ظاہری حالت پر رکھا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ تقدیم و تاخیر کو مانا جائے۔

طریقِ اوّل کی بنا پر یہ معنے ہوتے ہیں:۔

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ ای متمم عمرک فحینئذٍ اتوفاک فلا اترکھم حتیٰ یقتلوک بل انا رافعک الی السماء

یعنی میں تیری طبعی عمر کو پورا کروں گا، پھر وفات دوں گا سو تجھ کو تیرے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑوں گا کہ وہ تجھ کو قتل کرسکیں بلکہ میں تجھ کو اپنے آسمان کی طرف بلالوں گا۔

اس کے متعلق وہ کہتے ہیں ھٰذَا تَاوِیْلٌ حَسَنٌ یہ تاویل اچھی ہے۔ غور فرمایئے حضرت امام صاحب اس کو اچھی تاویل فرمارہے ہیں۔ فی الحقیقت بات بھی یہی صحیح ہے اور اسی پر عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ کسی لمبی چوڑی بحث میں الجھنا ہی فضول ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیاتِ مسیحؑ کے بارے میں یہ آیت قطعی، یقینی اور فیصلہ کن ہے۔

طریق دوئم پر آیت زیر بحث کے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ای ممیتک۔ یعنی تجھ کو ماروں گا اور یہ حضرت ابنِ عباسؓ اور محمد بن اسحٰقؒ سے مروی ہے۔

قالوا والمقصود ان لایصل اعداؤہ من الیھود الیٰ قتلہ ثم انہ بعد ذالک اکرمہ بان رفعہ الی السماء

یعنی انھوں نے فرمایا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ تجھ تک تیرے یہودی دشمن نہ پہونچ سکیں گے کہ قتل کریں اس کے بعد تمھیں آسمان کی طرف اُٹھا کر عزت و بزرگی دی جائے گی۔

جتنا زیادہ آپ کو یہودیوں نے ذلیل کیا ہے اسی
قدر آپ کو رفعت و عظمت اور بزرگی و کرامت بخشی جائیگی
اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہودیوں نے فی الحقیقت
ان کو مصلوب کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو پھر
باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے ان کے مقابلے میں کیا تدبیر اختیار
کی۔ اس طرح وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہ کا مفہوم ہی الٹا ہو جائیگا
اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا حسن ہی ختم ہو جائیگا
لہٰذا اللہ تعالےٰ کی قدرت و مشیت حکمت و ربوبیت کی شان
یہی ہے کہ اس نے آپ کے جسم کی بھی حفاظت کی، یہود سے
اسے کوئی گزند نہ پہنچ سکی اور روحانی مرتبہ بھی بلند ہو گیا بایں
طور حیاتِ ارضی حیاتِ سماوی میں بدل گئی۔

تین قول : ائمہ اسلام، فقہا و محدثین اور علماء کی تحقیق
و رائے ان تین قولوں پر متفق چلی آرہی ہے

(۱) وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ کو تین ساعات کے لئے
موت دی گئی اور پھر آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

(۲) محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سات ساعات کے لئے آپ
پر موت طاری کی گئی پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لیا
گیا۔ ابنِ انسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

(۳) آپ پر موت طاری ہی نہیں ہوئی۔ اللہ نے آپ کو

پورا کا پورا یعنی روح و جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا۔
امام رازیؒ کہتے ہیں کہ متوفیک ورافعک الی میں ترتیب
کا فائدہ دیتی ہے اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے
کہ اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ ایسا کچھ کرے گا۔ کیسے کریگا
اور کب کرے گا؟ یہ کسی کے قیاس و رائے سے متعین نہیں
ہو سکتا بلکہ دلیل شرعی پر موقوف ہے۔

انہٗ حیٌّ وورد الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ سینزل ویقتل الدجال ثم انہ تعالےٰ یتوفاہ
بعد ذالکؕ

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ خبر وارد ہے کہ آپ نازل ہونگے
اور دجال کو قتل کریں گے، پھر اللہ تعالےٰ ان کو
وفات دے گا۔

"توفی" کے معنی ہیں کسی چیز کا پورا پورا لینا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ
کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ یہود و نصاریٰ اشتباہ میں پڑینگے
اور کچھ لوگ آخری زمانے میں ایسے بھی ہونگے جو یہ
کہیں گے کہ صرف حضرت عیسیٰ کی روح کو رفع کیا گیا،
جسم کو نہیں اس لئے لفظ توفی کو رکھ کر اس نے اعلان کر دیا
کہ عقل کے پجاریو، قدرتِ الٰہی میں کلام کرنے والو ہم نے

حضرت عیسیٰ کو پورا پورا مع جسم و روح اٹھا لیا ہے اور دشمنوں کو ناکام اور ذلیل و خوار کیا ہے۔ تم اپنی اپنی عقلوں کے تیر تکے چلاتے رہو۔ قیامت کے قریب سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا۔

لفظ توفی کے معنی

اس کے صرف دو ہی معنے ہو سکتے ہیں ایک "قبض" دوسرے "استوفی"۔ دونوں صورتوں میں مقصود ہاتھ سے نہیں جاتا چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ ہر دو صورتوں میں آپ کا زمین سے اٹھا لیا جانا اور آسمان پر پہنچنا مراد ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں "توفی" عین "رفع" کے معنے میں ہے تو اللہ پاک کا قول وَرَافِعُکَ اِلَیَّ فضول تکرار ٹھہرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کا قول حصولِ توفی پر دلالت کرتا ہے اور وہ جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں۔ بعض کا موت کے ذریعہ اور بعض کا آسمان پر اٹھا کر۔ پس جب اس کے بعد وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کہا تو اس سے نوعِ آخر کی تعیین ہو گئی۔ بات صاف ہو گئی۔ کوئی اشکال و اشتباہ باقی نہ رہا اور تکرار کا وہم و گمان دور ہو گیا۔

حضرت امام رازی قائلین وفاتِ مسیحؑ ہرگز نہیں ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ قرآنِ کریم سے کیسے مضبوط پیرائے میں اور

یقینی طور پر حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ ثابت کیا ہے۔ اللہ امام رازیؒ کو اس کی جزائے خیر دے۔

ایک اور شبہ

بعض طبقوں کی طرف سے ایک مشہور شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیینؐ ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو متفق علیہ نبی ہیں کیسے آسکتے ہیں؟ پس یا تو ختم نبوت کا اپنا مفہوم لینے سے انکار کیجئے یا نزولِ مسیحؑ کے عقیدے کو غلط ٹھہرائیے۔

بظاہر تو یہ اعتراض بڑا وزنی اور معقول نظر آتا ہے لیکن اگر غور و تعمق سے دیکھا جائے اور انصاف و حق پرستی سے کام لیا جائے تو یہ اعتراض دھواں بن کر اڑ جاتا ہے۔ خاتم النبیین کے معنی از روئے لغت و محاورات اور اجماعی عقیدے کے یہ ہوتے ہیں کہ آپؐ وصفِ نبوت کے ساتھ اس عالم میں سب سے آخر میں متصف ہوئے۔ یعنی آپ کے بعد اب قیامت تک کسی کو از سرِ نو وصفِ نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا، نہ یہ کہ آپؐ سے پہلے تمام انبیاءؑ وفات پا گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و قدرت سے کسی گذشتہ نبی کو حیاتِ سماوی عطا فرما دے اور اسے آئندہ زمانے میں نازل کرے

تو کیا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتا؟ ختم نبوت کے عقیدے نے اللہ کی قدرت و مشیت کو معطل تو نہیں کر دیا۔

نعوذ باللہ من ذالک ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کے بعد عہدۂ نبوت نہیں ملا بلکہ آپ سے پہلے مل چکا تھا، اب جب آپؑ نازل ہوں گے تو کوئی نیا مقصد، نیا حکم اور نئی شریعت لے کر تو نازل نہ ہوں گے بلکہ شریعت محمدیؐ ہی کا مکمل طور پر اجراء و نفاذ کریں گے اور اس سے آپ کی تنقیص یا آپ کا معزول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ آپ کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے اور کارِ نبوت کی انجام دہی و تکمیل کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ پس قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ختم نبوت اور نزولِ مسیحؑ میں کوئی اشکال و تعارض نہیں۔

اللہ جزائے خیر دے ہمارے فقہا و محدثینؒ کو کہ انھوں نے ظہور مہدیؑ اور نزولِ مسیحؑ کے بارے میں تمام متعارض نظر آنے والی حدیثوں کے تعارض کو رفع کرنے اور اُن کے معانی کو بیان کرنے میں بڑی باریک بینی، دینی بصیرت، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ غیر معمولی کوششیں کی ہیں۔ اُمت کی گردنیں ان کے بارِ احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ سے دین کی حفاظت کا انتظام نہ کرتا تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ حیاتِ مسیحؑ اور نزولِ مسیحؑ کا اجماعی عقیدہ قرآن و حدیث کا صریح مدلول ہے اور اسی پر مسلمانوں کو قائم رہنا چاہیے۔

حیاتِ بعدِ موت

تہذیبِ مغرب نے اکثر پڑھے لکھے لوگوں کی آنکھوں پر مادیت کی پٹی باندھ دی ہے اور انھیں فریبِ عقل میں مبتلا کر کے خدا کا باغی اور آخرت فراموش بنا دیا ہے۔ آج ہماری سوسائٹی کے نمایاں اور اونچے درجے کے لوگ زبان سے نہ کہیں لیکن وہ دین و اخلاق، قانون، مکافاتِ عمل اور مرنے کے بعد کی زندگی کو خلافِ عقل اور ایک ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی کرنا اور خدا سے ڈرنا ایک بیکار اور فضول سی چیز ہے۔ اسلام کی بنیاد وحی و الہام پر رکھی گئی ہے۔ یہاں وحی و الہام کا یقین و ایمان ہی دلوں سے غائب ہے۔ فکر و نگاہ کے زاویے ہی بدلے ہوئے ہیں۔ دل و دماغ پر دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ دین و اخلاق کی قدر و قیمت کو کوئی نہیں سمجھتا اور ہر ایک کا قلب اندر ہی اندر کہتا ہے کہ حشر و نشر کوئی چیز نہیں۔ زندگی بس دنیا ہی کی زندگی ہے اس لیے دل کھول کر زندگی کے مزے لوٹو۔

ایسے لوگوں کی سعی وجہد کا مقصود اس دنیوی زندگی، زیادہ سے زیادہ مال ومتاع اور لذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لذت پرستی کا یہ مرض اخلاقی زندگی کو برباد کر دیتا ہے اور دل سے مرنے کا خیال، آخرت کی فکر اور قیامت کا ڈر نکال پھینکتا ہے۔

یاد رکھیئے کہ وہ زندگی جس کا نقشہ آپ نے دیکھا وہ ایک مومن اور مسلمان کی زندگی کا نقشہ نہیں بلکہ کافر کی زندگی کا نقشہ ہے۔ مومن اور مسلم کی زندگی کا نقشہ تو اللہ کے ذکر، موت کے ڈر اور آخرت کی تیاری سے بنتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتا ہے، دنیوی کاروبار بھی سر انجام دیتا ہے، مادی ترقی میں بھی دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے اور متاع دنیوی سے استفادہ بھی کرتا ہے مگر خدا سے کبھی غافل نہیں ہوتا، مرنے کا خیال، خدا کے سامنے کھڑے ہوکر زندگی کا حساب دینے کا یقین اور فکر آخرت کبھی اور کسی حال میں بھی اُس کے دل و دماغ سے دور نہیں ہوتا۔ وہ ہر حالت میں خدا تعالےٰ کا اطاعت گذار اور فرماں بردار بندہ بن کر رہتا ہے اور موت کو یاد رکھتا ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

کُونُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا

یعنی تم اس دنیا میں آخرت کے بندے بن جاؤ دوسری کافر و مشرک قوموں کی طرح صرف دنیا کے ہی طلب گار نہ بنو۔

پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ہدایت کی۔

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی ؕ

جس نے دنیا کی محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت کی محبت کی اس نے اپنی دنیا کو ضرر پہنچایا پس ترجیح دو فانی پر باقی کو۔

یعنی اگر کسی معاملے میں دنیوی مفاد اور اُخروی نقصان میں مقابلہ ہو جائے اور دنیوی نفع میں اخروی نقصان ہو تو دنیوی نفع کو چھوڑ کر آخرت کی فلاح کو مدِّنظر رکھو یہ ہے اسلامی زندگی کا طریقہ اور مومن بن کر دنیا میں رہنے کا ڈھنگ۔

دنیا میں کس طرح رہو؟

ہم اسلام پر ایمان رکھتے ہیں دن رات اسلام اسلام کی رٹ لگاتے رہتے ہیں مگر ہمیں مومن اور مسلمان بن کر رہنا نہ آیا۔ اپنا طریقۂ حیات ہی بھول گئے۔ دوسری گمراہ قوموں کے رنگ ڈھنگ اختیار کر لئے حالانکہ قرآن وحدیث نے ہمیں سب کچھ سکھلایا اور بتلایا ہے۔

سورۂ آلِ عمران ۔ پارہ ۴ ۔ رکوع ۲ میں ارشادِ باری ہے :۔

اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے (یعنی اُس کی نافرمانی اور بداعمالی کے انجام و مآل سے ڈرو) اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو (جیو تو مسلمان کی حیثیت سے اور مرو تو مسلمان کی حیثیت سے)

سورۂ الحشر ۔ پارہ ۲۸ میں فرمایا :۔

اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرتے رہو ۔ ہر شخص یہ دیکھتا اور جانچ پڑتال کرتا رہے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے لئے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تمہارے سارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

قرآنِ حکیم نے کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جن کے دل میں نجات اُخروی کا سچا یقین ہوتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتے ، دولت و اقتدار کے پجاری نہیں ہوتے، دنیا کی حرص اور عیش و عشرت کی پرستش نہیں کرتے ۔ یہ مرض یہود کا تھا اس لئے قرآن نے یہود کے لئے یہ اعلان کر دیا ۔

'تم ان سے کہو کہ اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک

صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کا اُس میں حصّہ نہیں اور تم اپنے اِس عقیدے میں سچّے ہو تو موت کی آرزو کرو ۔"

پھر اس کا جواب بھی خود ہی دیا ہے ۔

" یہ ہرگز ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے کیوں کہ یہ دنیا پر مرتے ہیں " (البقرہ)

یہ دنیا پرستی اور موت کا ڈر یہود کی بیماری تھی ۔ اب یہ ہم مسلمانو میں بھی آ گئی ہے ۔ اب ہم بھی اُنہی کی طرح دنیا پر مرتے اور موت سے ڈرتے ہیں ۔ مسلمانو ! یہ مرض جس قوم کو لگ جاتا ہے وہ قوم غیرت اور آزادی پر بے عزتی اور غلامی کو ترجیح دیتی ہے پھر خود ذلت و پستی کے عمیق غار میں جا گرتی ہے ۔ جبھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

حُبُّ الدُّنیا رَاسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

" دنیا کی محبت تمام گناہوں اور کمزوریوں کی جڑ ہے "۔

زندگی ایک جوئے رواں

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس دنیا ہی کی زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، وہ بڑے نادان اور عقل و بصیرت سے محروم ہیں ۔ وہ زندگی کی

حقیقت کو ہی نہیں سمجھتے۔ زندگی تو ایک جوئے رواں
ہے، وہ موت سے ختم نہیں ہوتی بلکہ جاری رہتی ہے۔
موت کے بعد ایک نئی منزل نئے رنگ و روپ میں آجاتی
ہے۔ قرآنِ حکیم میں ایسے لوگوں کے دل کی آنکھ کھولنے اور
عقل و بصیرت دینے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

تم لوگ اللہ سے کس طرح انکار کر سکتے ہو درآنحالیکہ
تم بے جان تھے، اُس نے تمھیں جاندار کیا، پھر وہی
تمھیں موت دے گا اور وہی تمھیں زندہ کرے گا
پھر تم اسی کی طرف واپس کئے جاؤ گے۔ (البقرہ۔ پارہ۱)

کافروں اور آخرت کے منکروں کے لئے بطور تنبیہ کے ارشاد
ہوا کہ تم کفر و انکار کی جرأت کیسے کر سکتے ہو۔ جب تم صُلبِ پدر
میں تھے اور تمھاری تشکیل بھی نہیں ہوئی تھی، تو رحمِ مادر
میں تمھیں صفتِ حیات سے نوازا۔ یہ اللہ کی نعمتوں میں
افضل ترین ہے۔ انسان صفت حیات ہی کی بدولت اللہ
کی تمام نعمتوں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ تم نے دنیوی
زندگی میں اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کیا ہے۔ وہی تمھاری
اِس زندگی کا خاتمہ کرے گا پھر تمھیں حشر میں زندہ کرے
گا۔ یہ حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے
اور اِسی پر اخلاقی و روحانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ پھر تمھیں

اپنی زندگی کا حساب دینے اور نیک و بد اعمال کی جواب
دہی کے لئے براہِ راست خدا کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔

مرنے کے بعد

بخاری و مسلم کی احادیث میں ہے
کہ جب مُردے کو قبر میں دفن کر کے
اُس کے عزیز و اقارب واپس چلے جاتے ہیں تو اُس کے
پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام
نکیر ہے۔ یہ صاحبِ قبر سے سوال کرتے ہیں مَن رَّبُّكَ
تیرا رب کون ہے؟ مَا دِینُكَ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو
محمد رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدہ رکھتا ہے؟
اگر مردے کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے (وہ ایک سچے مسلمان کی
طرح جیا اور سچے مسلمان کی طرح مرا ہے) تو جواب دیتا ہے
میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے
اور اس کے رسول ہیں۔ اس کے بعد فرشتے اسے جنت و
دوزخ کا ٹھکانہ دکھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں، تجھے اللہ نے
جنت میں جگہ دی ہے۔ اب قیامت تک آرام سے سوتا رہ۔

اگر مردے کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور وہ کافر یا منافق
ہے یا دنیا میں نام کا مسلمان بن کر جیتا رہا ہے تو فرشتوں
کے جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ فرشتے کہتے
ہیں کہ تو نے نہ جانا نہ مانا، پھر اس کو گرزوں سے مارتے ہیں

جس کے صدمے سے وہ چیختا چلاتا ہے اور اس کی آواز
جن وانس کے سوا سب سنتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ مومن کی قبر کشادہ اور
منور کردی جاتی ہے اور کافر ومنافق کی قبر اس قدر تنگ
ہوجاتی ہے کہ اُس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں
اور اُس پر قیامت تک عذاب ہوتا رہتا ہے۔

اہل سنت والجماعت عالم برزخ اور قبر کے عذاب و
ثواب کے قائل ہیں۔ یہی مذہب تمام صحابۂ کرام اور ائمہ دین
کا تھا اور یہی متواتر المعانی احادیث سے ثابت ہے۔

عالمِ برزخ

برزخ عربی زبان کا لفظ ہے جو مرکب ہے
"بر" اور "زخ" سے جس کے معنے یہ ہیں کہ
سلسلۂ عمل منقطع ہوگیا۔ انسان کو اس دنیا میں فکر و عمل
کی جو مہلت ملی تھی وہ ختم ہوگئی۔ اب جب تک قیامت
برپا نہ ہو اور اعمال کا حساب کتاب نہ کیا جائے اس وقت
تک وہ اسی معطلی کی حالت میں رہیگا، جس طرح حوالاتی
قیدی مقدمے کے فیصلے تک حوالات میں رہتے ہیں اگر وہ
بے جرم و قصور ثابت ہوتے ہیں تو چھوڑ دیئے جاتے ہیں
اور مجرم ثابت ہوتے ہیں تو جرم کی سزا پاتے ہیں۔ حوالات
کی زندگی بھی ایک پابند اور محدود زندگی ہوتی ہے۔ عالمِ برزخ

اصل میں پردے کو کہتے ہیں۔ یہ اس دنیا اور قیامت
کے درمیان ایک پردہ ہوتا ہے۔ وہ نہ دنیا میں ہوتا ہے
اور نہ میدانِ حشر میں۔ بس ایک درمیانی حالت ہے یا ایک
مخفی کیفیت۔ برزخ اس چیز یا حالت کو کہتے ہیں جو دو
چیزوں کے مابین واقع ہو چونکہ یہ حالت عالم نشاۃ اولی
اور عالمِ بعثت کے درمیان ہے اس لئے اس کو برزخ
کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابنِ عربیؒ کہتے ہیں۔

چونکہ برزخ معلوم اور غیر معلوم، بود ونابود اور
معقول وغیر معقول کے درمیان ایک امرِ فاصل
ہے اس لئے اس کا نام برزخ رکھا گیا۔

حضرت امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے تین مقام ٹھہرائے
ہیں۔ دنیا، برزخ اور دارِ جزا اور ہر مقام کے
علیحدہ علیحدہ کچھ احکام مقرر کئے ہیں، جو اُس مقام
سے مخصوص ہیں۔ انسان کو جسم و روح سے مرکب
کیا ہے۔ دنیا کے احکام اجسام کے لئے ہیں
اور روحوں کو اجسام کا تابع کیا ہے اس لئے
احکامِ شرعی اُن حرکات سے متعلق ہیں جو جسم کے
اعضا و جوارح سے سرزد ہوتی ہیں خواہ دلوں

میں کچھ اور باتیں بھی چھپی ہوئی ہوں۔ برزخ
کے احکام روحوں کے لئے ہیں اور جسموں کو ان
کا تابع رکھا گیا ہے پس روح دنیا کے احکام
میں جسم کی تابع ہو کر جسم کے دردمند ہونے سے
دردمند ہوتی ہے اور لذت پانے سے لذت
یاب ہوتی ہے کیونکہ جسم ہی دکھ سکھ کے اسباب
مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح قبر یعنی عالمِ برزخ
میں جسم دکھوں اور سکھوں کے لئے روح کا تابع
ہوجاتا ہے۔ روح دکھ سکھ سہتی ہے تو جسم بھی
سہتا ہے۔ دنیا میں جسم ظاہر ہے اور روح
پوشیدہ اور جسم روح کے لئے مثل قبر کے ہے
اور عالمِ برزخ یا قبر میں روح ظاہر و غالب
ہوگی اور جسم پوشیدہ ہوں گے اور برزخ کے
احکام ارواح پر جاری ہوں گے۔ یعنی جب
دکھ سکھ روح کو پہنچے گا تو صاحبِ روح کے
جسم میں بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں
جسم کو تکلیف و راحت ہوتی تو اُس کا اثر روح
پر بھی ہوتا ہے ایسا ہی قبر میں روح کی تکلیف
و راحت کا اثر جسم پر ہوگا۔

الغرض یہ امر مسلم ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر
ڈالتی ہے اور کبھی جسم روح پر۔ اگر روح کو کوئی خوشی
ہوتی ہے تو اُس کے آثار چہرے کی بشاشت سے ظاہر و
نمایاں ہوجاتے ہیں، اسی طرح جسم کے محسوسات سے
روح متاثر ہوتی ہے۔

حشر میں جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو روح
وجسم دونوں پر تکلیف و راحت کا اثر ہوگا۔ پس قبر کا عذاب
و ثواب بالکل عقل کے مطابق ہے جس میں کوئی شک و
شبہ نہیں۔

عذابِ قبر کا نمونہ

دو شخص اگر ایک ہی بستر پر
سو رہے ہوں اور خواب میں
ایک شخص کی روح کو رنج و الم پہنچ رہا ہو اور اُس کے آثار
جسم سے بھی ظاہر ہوں تو دوسرا شخص اس سے متاثر نہ ہوگا۔
وہ لذت و راحت محسوس کر رہا ہوگا اور جب یہ دونوں
جاگیں گے تو نہ رنج و الم ہوگا اور نہ لذت و راحت۔ ایک کو
دوسرے کی خبر بھی نہ ہوگی کہ اس نے کیا خواب دیکھا۔ اسی
سے عذاب و ثوابِ قبر کا اندازہ لگا لیجئے۔

اسلامی تعلیم کی رُو سے دنیا میں جسم و روح کا اتصال
دائمی ہے۔ موت کے بعد یہ جسم روح سے الگ ہوجاتا ہے

مگر عالمِ برزخ میں روح کو اپنے اعمال کا مزہ چکھنے
کے لئے یہ جسم مستعار ملتا ہے جو دنیوی جسم کی قسم سے
نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے اور ایک تاریکی سے جیسا کہ
اعمال کی صورت ہو، جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا اس عالم میں انسان
کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ اس لئے کلامِ الٰہی میں
کئی مقامات پر بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے
ہیں، جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے مرکب
ہوتے ہیں۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے یہی عالمِ
برزخ میں نیک و بد اعمال کی جزا و سزا کا موجب ہو جاتا ہے۔

قبر کا عذاب و ثواب

قبر کا عذاب و ثواب درحقیقت انسان کے اعمال کی صورتیں ہوتی
ہیں جو مادے سے معرا ہوتی ہیں اس لئے نظر نہیں آتیں۔
جیسے روح نظر نہیں آتی۔ وہاں کی آگ دنیا کی آگ
کے مانند نہیں ہوتی۔ وہاں کے سانپ بچھو یہاں کے
سانپ بچھوؤں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ یہ چیزیں عالمِ
مثال کی ہوتی ہیں۔ یہ کہنا کہ وہ نظر کیوں نہیں آتیں؟
بڑی جہالت و نادانی ہے۔ دکھائی نہ دینا اس لئے ہوا کہ
ایمان بالغیب کی حکمت قائم رہے۔ عقل کا دائرہ عالمِ شہود ہے

نہ کہ عالمِ غیب، عالمِ غیب کی تمام چیزوں پر ایمان رکھا
جاتا ہے، ان کی کیفیت و حقیقت عقل سے جانی اور سمجھی
نہیں جا سکتی۔

اگر مردے کو ہوا میں اڑا دیا جائے، سولی پر چڑھا
دیا جائے، پانی میں غرق کر دیا جائے۔ اس کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیئے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے تو ان
صورتوں میں بھی عالمِ برزخ کا عذاب ٹل نہیں سکتا کیونکہ
قادرِ مطلق کے لئے یہ امر کچھ مشکل نہیں کہ جسم کے ٹکڑوں اور
ذروں میں روح کو پیوست کر دے اور ان میں دکھ سکھ کا
شعور پیدا کر دے ——— اللہ تعالےٰ نے جمادات میں
بھی تو ادراک و شعور رکھا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ اپنی عقل
کے دو انچی گز سے عالمِ مثال اور عالمِ غیب کی چیزوں کو
ناپنے اور شعور کی ترازو میں تولنے لگتے ہیں اور جب
کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو جھٹ انکار کر دیتے ہیں۔
یہ حق پرستی نہیں بلکہ مادیت پرستی ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قبر کے سانپ بچھو اور دوسری
چیزیں جن کا حدیثوں میں ذکر ہے اور نعمائے جنت اور
عذابِ دوزخ کی وہ تمام تفصیلات جو نصوص کتاب و سنت
سے ثابت ہیں، ان پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے

کا مومنانہ طریقہ یہ ہے کہ عقل سے صرف یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ کیا فی الحقیقت ان چیزوں پر ایمان لانے کا قرآن و حدیث نے حکم دیا ہے؛ اگر ایسا ہے تو پھر اُن پر بلا چون و چرا ایمان لے آنا چاہیئے، خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ ہم ان کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں ان کی کیفیت و حقیقت اللہ اور اللہ کے رسول پر چھوڑ دینی چاہیئے اور اگر روایات غیر مستند میں ان کا ذکر آیا ہے تو وہ چیزیں ناقابلِ اعتماد ہیں۔

امام غزالی کا فلسفۂ موت

حضرت امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "احیاء العلوم" کے خاتمے پر حیات بعد الموت کا ایک جداگانہ باب رکھا ہے، جس سے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور بہت سے شبہات و اعتراضات صاف ہو جاتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں۔

"موت کے معنے فقط تغیرِ حال ہے۔ روح جسم سے مفارقت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو یا تو عذاب دیا جاتا ہے یا ثواب۔ جسم سے مفارقت کے معنی جسم سے نکل جانے کے باعث جسم کے تصرف کا منقطع ہو جانا ہے کیونکہ اعضاء و جوارح روح کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں حتیٰ کہ وہ ہاتھ سے گرفت کرتی ہے، کان سے سنتی ہے، آنکھ سے دیکھتی ہے

اور قلب سے حقائقِ اشیاء کا ادراک کرتی ہے۔ یہاں قلب سے عبارت روح ہے جو اشیاء کو بغیر اِن آلات کے ذاتی طور پر جانتی ہے، رنج و غم اور اندوہ و ملال سے ملول ہوتی ہے اور فرح و سرور سے راحت پاتی ہے۔ وہ تمام امور، جو روح کے ذاتی اوصاف ہیں، جسم سے مفارقت کے بعد بھی اس کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور جو امور بواسطہ اعضاء ہیں وہ موت سے اس وقت تک کے لئے معطل ہو جاتے ہیں۔ جب تک روح جسم کی طرف نہ لوٹائی جائے اور یہ کچھ بعید از عقل نہیں کہ قبر میں روح لوٹا دی جائے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ یوم بعثت تک مؤخر کر دی جائے اور اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس بندے پر کیا حکم لگایا جائے۔

حالات بعد الموت کے سوال اور مرحلے میں پہلا بہت ادق اور مشکل مسئلہ بقائے روح کا ہے اس کی حقیقت امام صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

روح جوہر ہے۔ جسم نہیں۔ اس کا تعلق بدن سے ہے مگر اس طرح کہ بدن سے نہ متصل ہے نہ منفصل، نہ داخل ہے نہ خارج اور نہ حال ہے نہ محل۔ جوہر ہونے کی یہ دلیل ہے کہ روح اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور چونکہ ادراک عرض ہے یعنی ایک کیفیت کا نام ہے اور فلسفہ میں یہ مسئلہ ثابت

ہو چکا ہے کہ عرض، عرض کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اس
لئے ضروری ہے کہ روح جوہر ہو ورنہ ادراک کا قیام اس کے
ساتھ ممکن نہ ہو سکے گا۔ جسم نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر جسم
ہوگا تو اس کا طول و عرض ہوگا اور اس کے اجزاء ہو سکیں گے
اور اجزاء ہوں گے تو یہ ممکن ہوگا کہ ایک جزو میں ایک چیز
پائی جائے اور دوسرے جزو میں اس کی نقیض، مثلاً لکڑی کا
ایک تختہ نصف سفید ہو سکتا ہے اور نصف سیاہ۔ اس بناء
پر یہ ممکن ہوگا کہ روح کے ایک جزو میں علم ہو اور دوسرے
جزو میں جہل۔ اس صورت میں روح ایک ہی زمانے میں
ایک شے سے واقف بھی ہوگی اور ناواقف بھی اور یہ محال ہے۔
متصل و منفصل اور داخل و خارج نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام
اوصاف جسم کے ساتھ خاص ہیں اور جب روح سرے سے
جسم ہی نہیں تو متصل و منفصل اور داخل و خارج کچھ بھی نہیں۔
مثلاً ایک پتھر کو ہم نہ عالم کہہ سکتے ہیں نہ جاہل کیونکہ
یہ دونوں وصف جاندار کے ساتھ خاص ہیں اور پتھر بے جان ہے۔
اس کے بعد امام صاحب نے یہ سوال قائم کرکے، کہ شارع
نے روح کی حقیقت بتانے سے کیوں انکار کیا؟ جواب دیا کہ
دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں، عوام اور خواص۔ عوام تو ایسی
چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی بناء پر فرقہ کرامیہ والے خدا

کے جسم ہونے کے قائل ہو گئے کیونکہ ان کے نزدیک جو
چیز جسم نہ ہوگی وہ موجود ہی نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ عوام
کی بہ نسبت کسی قدر وسیع الخیال ہیں وہ جسم کی نفی کرتے
ہیں تاہم خدا کا ذوجہت ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اشعریہ
اور معتزلہ اس قسم کے وجود کے قائل ہیں جو جسم اور جہت
سے بری ہو لیکن ان کے نزدیک اس قسم کا وجود ذات
باری اور صفاتِ باری کے ساتھ خاص ہے۔ اگر روح کا
وجود بھی اسی طرح کا مانا جائے تو ان کے نزدیک خدا میں
اور روح میں کوئی فرق نہیں رہتا بہرحال چونکہ روح کی
حقیقت عوام و خواص دونوں کے فہم سے بالا تھی اس لئے
شارع نے اس کے بتانے سے انکار کیا (الغزالی ص۸۵)

عالم برزخ میں قبر کے عذاب و ثواب کے بارے میں
جو تفصیلات شارع نے بتلائی ہیں ان پر عقل و نقل
دونوں کی شہادت موجود ہے اور تمام امور اپنی اپنی جگہ
دلائل قطعیہ سے ہیں لہذا ان پر مضبوط ایمان رکھنا چاہیئے۔

ایصالِ ثواب اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے
کہ ایصالِ ثواب بغیر کسی خاص اہتمام
کے بھی کیا جائے یعنی تلاوتِ قرآن مجید یا فقراء و مساکین
کو کھانا کھلا کر یا کچھ پڑھ کر یا کسی کو کپڑے یا کوئی اور ضرورت

کی چیز دے کر کیا جائے تو بھی جائز ہے۔ اس سے مرنے
والے کو ثواب پہنچتا ہے اور عذاب میں تخفیف ہوتی
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مُردے کی حالت قبر میں ڈوبنے والے کی مانند
ہوتی ہے، جو اپنے لواحقین اور ہمدردوں سے
اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اسے کسی کی طرف
سے ثواب پہنچے اور جب مُردے کے حق میں
دعا کی جاتی ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے
زیادہ عزیز اور فائدہ مند ہوتی ہے اور مُردوں
کے لئے زندوں کے ہدایا دعا و استغفار ہیں۔

علی بن موسیٰ الحداد کہتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور
محمد بن قدامہ ایک جنازے میں میرے ساتھ تھے۔ مردے کو
دفن کرنے کے بعد ایک اندھا آیا اور قبر پر قرآن پڑھنے لگا۔
امام احمد بن حنبلؒ نے اس سے کہا کہ اے شخص قبر کے نزدیک
قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم واپس ہوئے تو محمد بن
قدامہ نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ اے عبداللہ!
آپ مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
آپ نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔ محمد بن قدامہ نے کہا کہ کیا آپ
نے اُس سے کوئی حدیث لکھی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

خبر دی مبشر بن اسمٰعیل نے انھوں نے عبدالرحمٰن
بن العلاء سے اور اُنھوں نے اپنے والد
سے کہ انھوں نے اس بات کی وصیت کی کہ
میری قبر کے سرہانے سورۂ البقرہ کی ابتدائی اور
آخری آیات پڑھی جائیں۔

یہ سن کر امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ جا کر اُس شخص سے کہدو
کہ وہ پڑھے۔

محمد بن احمد المروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ
کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہوا کرو
تو سورۂ فاتحہ، معوذتین اور قُل ھُوَ اللہ پڑھ کر اس کا ثواب
مردوں کو پہنچایا کرو۔ یہ ثواب اُن کو پہنچتا ہے۔

غرض ایصالِ ثواب بلاریب ایک جائز اور مستحسن
فعل ہے اور بلاشبہ ارواح کو بدنی عبادات کا ثواب
پہنچتا ہے۔ اس میں تمام اہلِ السنت متفق ہیں البتہ
طریق ایصالِ ثواب میں سخت اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا یہ
عقیدہ ہے کہ اگر مطابق رواج محض رسماً ایصالِ ثواب کا
کوئی خاص طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کر لیا جائے یا دوسری
مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ان کے طریقے اسلام کا نام لے
کر جاری کر دیئے جائیں۔ مثلاً خاص دنوں میں برادری کے

لوگوں کو جمع کیا جائے، بڑے اہتمام سے دیگیں پکوائی جائیں، اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کیا جائے، خواہ قرض لے کر ہی کیوں نہ ہو اور رسوم کی پابندی کی جائے تو نادرست اور بدعت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں:۔

سلف کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے نمازِ جنازہ کے سوا کسی دوسرے وقت میں جمع ہوتے ہوں اور قرآن شریف پڑھتے ہوں نہ قبر پر نہ کسی دوسری جگہ، یہ سب بدعت و مکروہ ہے۔ ہاں اہلِ میت کی تعزیت کرنا، تسلی دینا، صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے۔

بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جس کی اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تعلیم نہ دی ہو، نہ وہ کام قرونِ ثلثہ میں ہوا ہو بعد میں لوگوں نے اس کو نیکی کا کام سمجھ کر اپنی طرف سے رواج دے دیا ہو۔

تفصیلاتِ قیامت

عالمِ برزخ کے بعد یہ عالم دُھنکی ہوئی روئی کی طرح منتشر کر دیا جائے گا دنیا کی ہر چیز پر فنا طاری ہو جائے گی۔

بجز ذاتِ باری کے کوئی شئے باقی نہ رہے گی۔ اسی کا نام قیامت ہے۔ قیامت پر ایمان رکھنا توحید و سنت پر ایمان رکھنے کی طرح نہایت ضروری ہے۔ اس پر ایمان رکھے بغیر کوئی شخص سچا مومن اور مسلمان نہیں بن سکتا۔ اس کا منکر کافر ہے۔

قیامت کا آنا برحق ہے۔ قرآن نے اس کو منوانے کے لئے اس باب میں توحید و نبوت کے مسائل کی طرح اپنا زورِ استدلال صرف کیا ہے اور بڑے معقول اور مدلل طریقے سے جا بجا اس کا اثبات کیا ہے۔ ہم نمونتہً صرف ایک مقام کو پیش کرتے ہیں۔

پارہ ۳۰۔ سورۂ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ یوں شروع ہوتی ہے:۔

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اُس بڑے واقعے کے بارے میں جس میں یہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ عنقریب وہ جان لیں گے۔ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ کیا ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا نہیں کیا ہم نے تمھاری نیند کو سکون کا باعث نہیں بنایا؟ کیا ہم نے رات کو پردہ پوش نہیں بنایا؟ کیا ہم نے دن کو معاش کا وقت قرار نہیں دیا؟

کیا ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان
نہیں بنائے؟ کیا ہم نے تمہارے لیے ایک
روشن چراغ (سورج) نہیں بنایا؟ اور کیا ہم
نے پانی بھرے بادلوں سے بکثرت پانی نہیں
برسایا تاکہ ہم اُس کے ذریعہ غلہ، سبزی اور
گنجان باغ پیدا کریں۔ بیشک فیصلے کا دن
ایک معین وقت ہے۔

اِن آیاتِ بینات میں جزا و سزا پر بڑے ہی معقول اور دلنشیں انداز میں استدلال کیا گیا ہے۔ قدرت و حکمت کی نشانیاں پیش کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایک ایسا دن یقیناً آئے گا جو ہر بُرے بھلے کے حق میں فیصلہ کن ہوگا۔

ان آیات میں جن نشانیوں کو انسان کے غور و فکر اور یقین و ایمان کے لیے پیش کیا گیا ہے اور عقلِ انسانی پر اثباتِ قیامت کی حجت تمام کی گئی ہے ان سے شہادت ملتی ہے کہ

(۱) جس ذاتِ مطلق قادر کریم نے اِس کائنات کو وجود بخشا، بنایا، سنوارا اور سجایا، ہماری تمام جسمانی ضرورتوں، مادّی احتیاجات اور فطری مطالبات کا، نیز روحانی و اخلاقی ضرورتوں کا بھی پورا پورا سامان کیا اور نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کرکے ارتقائے انسانیت کی

راہیں کھولیں۔ وہ ذات صفتِ ربوبیت و رحمت سے بدرجہ کمال متصف ہے۔ وہی ذات نگرانی و حفاظت کرنے والی، نشو و نما دینے والی اور ہر چیز کو کمال تک پہنچانے والی ہے۔

(۲) وہ رحیم و شفیق اور مہربان ہے، جبھی تو وہ اپنے فرمانبردار اور نافرمان سب بندوں پر عنایتیں اور نوازشیں فرما رہا ہے اور کائنات کی ہر چیز میں ارتقاء ہو رہا ہے ورنہ نہ انسان ہوتا، نہ یہ کائنات اور نہ یہ ارتقاء۔

(۳) اس کے قبضۂ قدرت میں یہ ساری کائنات ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے اور تمام انسانوں پر اس کی حکمرانی ہے۔ اُسی کی مشیت و ربوبیت اور حکمت و قدرت سے یہ کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔

پارہ ۱۵ - سورۂ بنی اسرائیل

کیا قیامت ضروری ہے

میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے سوال کرتا ہے اور ان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے:

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ جس نے آسمان
اور زمین پیدا کیے ہیں، وہ یقیناً اس بات پر
بھی قادر ہے کہ اُن جیسے آدمی دوبارہ پیدا
کردے؟ کیا ایک انسان جو ایک مرتبہ ایک چیز

بنائے دوبارہ اُسی چیز کو نہیں بنا سکتا؟) اور
اس نے ان کے لئے ایک مقررہ مدت ٹھہرادی
ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس پر بھی
ظالموں نے ناشکری ہی کا رویہ اختیار کیا۔
(اے پیغمبر) آپ ان سے کہد یجئے۔ اگر تمھارے
قبضہ میں میرے رب کی رحمتوں کے خزانے ہوتے
تو یقیناً تم خرچ ہو جانے کے خوف سے ہاتھ روکے
رکھتے (لیکن اے نادانو!) اللہ کی رحمت و ربوبیت
کا معاملہ ایسا نہیں نہ اس کی رحمت کے خزانے
کبھی کم ہو سکتے ہیں اور نہ اُس کی بخشش کی
کوئی انتہا ہے (یہ تو) انسان ہی (بڑا ناشکرا اور
بڑا تنگ دل ہے۔

جب ہم اپنے بندے پر انعام واکرام کی بارش کرتے ہیں تو وہ
ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور نافرمانی پر اُتر آتا ہے
اور جب ہم اسے کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں تو پھر ہماری
طرف رجوع کرتا ہے اور گڑگڑانے لگتا ہے۔

تمام قرآن اس قسم کی آیتوں سے بھرا ہوا ہے جن میں
اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت و ربوبیت کا ذکر
کرکے اُن کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور قیامت کو ثابت

کیا ہے۔

اس مضمون کی تمام آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی
کے خالق، مالک، رب، الٰہ، رحیم، عادل اور قادر ہونیکا
لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دن انسان کو ارتقاء کی
آخری منزل پر پہنچا دے، انسانیت کی ہر حقیقی ضرورت
پوری ہو، انسان کو اس کی خدا پرستی اور نیک عملی کا پورا
پورا اجر مل جائے اور بدکاروں و نافرمانوں کو ظلم وفساد،
بدعملی اور بغاوت کی سزا ملے۔

نفخ صور

کافر و مومن اور ملحد و منافق اپنی دولت
واقتدار، تہذیب و ترقی کے نشے سے
سرشار ہوں گے، عیش و عشرت میں مگن ہوں گے۔ کفر و
نفاق، شرک و بدعت، فسق و فجور، سرور و نشاط اور ظلم و
فساد کی حالت میں مزے مزے کی زندگی گذار رہے
ہوں گے کہ یکایک اُن کے کانوں میں ایک باریک آواز
آئے گی یہ صور کی آواز ہو گی جسے حضرت اسرافیل علیہ السلام
پھونکیں گے۔ یہ آواز ابتداء میں ہلکی ہو گی۔ رفتہ رفتہ
بڑھتی جائے گی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک معلوم
ہو گی۔ اس لئے لوگ غفلت و بدمستی میں پڑے رہیں گے
لیکن آہستہ آہستہ وہ شدید، وحشتناک اور لرزہ خیز

ہوتی جائے گی۔ آخر اتنی شدید ہوجائے گی کہ لوگ برداشت نہ کرسکیں گے اور اس کی شدت سے کلیجے پھٹنے لگیں گے۔ بالآخر صور کی آواز سے تمام انسان اور حیوان سب کے سب فنا ہوجائیں گے۔ تمام شجر و حجر، چاند ستارے اور نظام شمشی درہم برہم ہوجائیگا۔ دریا اور سمندر معدوم ہوجائیں گے۔ پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ جائیں گے اور زمین و آسمان کا وجود ہی ختم ہوجائے گا۔

صرف ذاتِ باری باقی ہوگی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام

جو کچھ بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گا تو صرف اللہ، بزرگی اور تعظیم والا، اُس وقت اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی ہے۔

کہاں ہیں وہ ظالم و جابر بادشاہ، فاسق و فاجر حکمراں اور صاحبانِ ثروت جو دنیا میں اپنی دولت و اقتدار کے ڈنکے بجایا کرتے، حکومت و املاک پر نازاں تھے اور کمزوروں کا خون چوسا کرتے تھے اور ناتوانوں پر جور و ستم کے پہاڑ توڑتے تھے، حق پرستوں پر قہر و غضب کی بجلیاں گرایا کرتے تھے اور جنھوں نے دنیا کو

ظلم و فساد سے بھر دیا تھا؟

آخر خود اللہ جل جلالہٗ ہی فرمائے گا

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج صرف ایک اللہ قہار ہی کی بادشاہی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ نفخ صور یعنی قرنا کا پھونکنا صرف ایک استعارہ ہے بعثتِ حشر و تبدلِ حال کا۔ جس طرح لشکر میں بگل بجنے سے سب جمع ہوجاتے ہیں اسی طرح حشر میں وقتِ موعود پر سب انسان دوبارہ زندہ ہوکر میدانِ حشر میں جمع ہوجائیں گے۔ بہرحال یہ حقیقت ہو یا استعارہ ہمیں نفخ صور پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ یہ قیامت کی ابتدا ہے۔

نفخِ صور کی تفصیل

اسرافیل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے تو تمام موجودات پر نیستی طاری ہوجائے گی یعنی پوری کائنات فنا ہوجائے گی۔ جب اس فنا پر ایک عرصہ گذرے گا تو اللہ تعالےٰ سب سے پہلے دوبارہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کرکے دوسری بار نفخِ صور کا حکم دے گا۔ جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دوبارہ تمام ملائکہ اور جن و انس زندہ ہوجائیں گے۔ اس دوبارہ زندگی کو بعث و نشر کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ حشر صرف روح کا نہیں بلکہ جسم و
روح دونوں کا ہوگا اور اس کی کیفیت رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے :-

سب سے پہلے میں اپنی قبر سے اٹھوں گا، پھر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام، پھر دوسرے انبیاء علیہم
السلام، پھر شہید، پھر صالحین اور پھر عام مومنین
یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَکُوْرٌ

(ترجمہ) اُس ذاتِ باری کے لئے حمد ہے، جس نے ہمارا
غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا قدر دان
ہے اور کفار یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے۔

یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا

(ترجمہ) ہائے افسوس ہم کو کس نے ہماری قبروں سے اٹھایا
(کاش ہم سوتے ہی رہتے اور یہ دن نہ دیکھتے)

کافر ایک طرف ہوں گے اور مومن ایک طرف
اسی طرح نیکوکار اور پرہیزگار ایک طرف اور بد
کار و فاسق ایک طرف۔ جو شخص جس حالت میں
مرا تھا، اُسی حالت میں اُٹھے گا۔ حتیٰ کہ شہید

کے زخموں سے خون بہتا ہوگا اور شرابی نشے
میں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں ابوبکر و عمر
کے ساتھ اٹھوں گا پھر جنت البقیع میں آؤں گا
اور میری اُمت کے سب لوگ میرے ہمراہ ہوں
گے۔ ہر شخص برہنہ اور بے ختنہ اُٹھے گا۔ پہلے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا لباس پہنایا
جائے گا۔ اس کے بعد میں لباس زیب تن کروں
گا اور پھر تمام انبیاء علیہم السلام کو لباس پہنایا
جائے گا۔ اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا۔"

حساب و کتاب

قیامت کے دن ہر آدمی کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ پارہ ۱۵
سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

"اور ہر انسان کا اعمال نامہ ہم نے اس کی گردن
کا طوق بنا دیا ہے۔ ہم اُس کے لئے قیامت کے
دن ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے
گا (کہا جائے گا) اپنی کتاب پڑھ آج تو خود ہی
اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے"

اس آیتِ کریمہ میں اعمالِ خیر و شر اور اُن کے نتائج کا ایک

نہایت پُرحکمت فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اعمال کے لئے طائر
(پرندہ) کا لفظ آیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ عمل سرزد ہونے کے بعد اُڑ جاتا ہے، یعنی جو کچھ انسان
کرتا ہے وہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، پھر اُس کا اس پر
کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اور نتیجہ اس کے گلے کا ہار بن
جاتا ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اب قیامت کے
دن اُس کو اِس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اِس دنیا میں انسان حقیقت سے بے خبر اور غافل
رہتا ہے۔ وہ عمل کی اِس حقیقت کو نہ سمجھتا ہے اور نہ سمجھنا
چاہتا ہے۔ عمل کے نتیجے پر اُس کو یقین ہی نہیں ہوتا ———
کیونکہ دنیا میں عمل کا کھلا کھلا نتیجہ اُس کے سامنے نہیں آتا۔
قیامت کے دن یہ نتیجہ اس کے سامنے آجائیگا، ایک کھلی
کتاب کی طرح، اور اس سے کہا جائیگا سورۂ "ق" پارہ ۲۷
البتہ تو غفلت میں رہا اس دن سے (اور عمل کی
اس حقیقت سے)

وہ پردے اور حجابات جو دنیا میں اس کو عمل کا نتیجہ
نہیں دیکھنے دیتے اس کی آنکھوں سے اُٹھ جائیں گے۔
جس کو داہنے ہاتھ میں کتاب ملے گی وہ نجات پا جائیگا
اور جس کو بائیں ہاتھ میں ملے گی وہ جہنم میں جائے گا چنانچہ

ارشادِ باری ہے:۔

"جس کو داہنے ہاتھ میں کتاب ملے گی اُس کا حساب
آسان ہوگا اور اپنے اہل وعیال کی طرف خوش
خوش آئے گا اور جس شخص کو بائیں ہاتھ میں کتاب
دی جائے گی، اس کو پیٹھ کے پیچھے سے ملے گی۔
وہ واویلا کرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔" (پارہ ۳۰)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اعمال نامے اُڑ اُڑ کر ہاتھ میں
آجائیں گے۔ کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ
میں۔ حساب مختلف ہوگا۔ کسی کا سرسری عفو و درگذر کی
صورت میں اور کسی کا شدت کے ساتھ۔ اللہ تعالےٰ ہر مومن
و کافر سے سوال کرے گا" اے انسانو! ہم نے تمہارے پاس
اپنے رسولوں کو بھیجا تھا جو تمھیں ہماری آیتیں پڑھ کر
سناتے تھے اور اِس دن سے ڈراتے تھے بتلاؤ تم نے دنیا
میں کیا کیا؟"

اس کے بعد ایک فرشتہ ندا دے گا کہ جو شخص مشرک
ہے، جس نے دنیا میں غیر اللہ کو اپنا معبود، حاجت روا،
مشکلکشا اور ملجا و ماویٰ بنایا تھا، وہ اپنے اپنے معبودوں
کے پاس جائے، ایسے تمام لوگوں اور ان کے معبودوں کو جہنم
میں ڈال دیا جائیگا، پھر انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں

کا حساب ہوگا۔

میزان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ اُس دن اعمال کا وزن ہونا حق ہے — انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان نصب کی جائے گی۔ اس کے دو پلڑے ہوں گے، دائیں پلڑے میں نیکیاں تلیں گی اور بائیں میں بدیاں۔ میزان عرش کی دائیں جانب جنت کی طرف نصب کی جائے گی۔ کیفیت وزن اعمال کے بارے میں مفسرین اور محققین کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ عمل کو متشکل کر دیا جائے گا۔ مومن کے اعمال کی صورت اچھی ہوگی اور کافر کے اعمال کی صورت بُری۔

دوسرا قول ضحاکؒ، مجاہدؒ اور اعمشؒ وغیرہ کا ہے کہ میزان سے مراد صرف عدل ہے۔ عدل کو مجازاً اور تمثیلاً میزان اور وزن کہا گیا ہے معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض تلنے کے قابل نہیں۔ صرف جسم تل سکتا ہے لیکن اس مذہب کو آیات و احادیث رد کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اعمال کو کوئی نورانی اور ظلمانی جسم دے دے۔

حوضِ کوثر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن حوضِ کوثر سے اپنی اُمت کو پانی پلائیں گے، پھر ان کو پیاس نہ لگے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔" بخاری و مسلم میں ہے:۔

"میرا حوض ایک مہینے کے سفر کی مسافت کے برابر ہے۔ اُس کے کونے برابر ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اُس کی خوشبو مشک سے زیادہ ہے، اس کے آبخورے ستاروں کی مانند ہیں، جو شخص اُس کے پانی کو پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔"

پُل صراط

قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر پُل صراط رکھا جائے گا، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اُس پر سے تمام مخلوق کو گذرنا پڑے گا۔ انبیاء و اولیاء آسانی کے ساتھ جلد از جلد گذر جائیں گے۔ انھیں دوزخ ذرا بھی ایذا نہ دے گا۔ اہلِ ایمان حسبِ اعمال تیز رفتاری کے ساتھ یا سست رفتاری سے گذر جائیں گے اور کافر کٹ کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ج

تم میں سے ہر کوئی دوزخ پر سے گذرنے والا ہے اور یہ تمہارے رب کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

جو اِس دنیا میں صراطِ مستقیم یعنی احکام شریعت پر قائم رہا وہ صراطِ آخرت پر سے نہایت سرعت کے ساتھ گذر کر جنت میں چلا جائے گا اور جس نے احکام شریعت کی خلاف ورزیاں اور صراطِ مستقیم سے گریز کیا ہوگا وہ قدم رکھتے ہی کٹ کر دوزخ میں گر پڑے گا (احیاء العلوم)

صراطِ مستقیم یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے جذبات واحساسات اور اپنی خواہشات پر قابو رکھے، نہ دنیا کے لئے آخرت کو فراموش کرے اور نہ آخرت کے لئے دنیا سے منہ موڑے۔ کسی حکم شریعت کی پابندی میں افراط وتفریط سے کام نہ لے۔ اعتدال وتوازن کو قائم رکھے، بگڑے ہوئے ماحول اور باطل نظام میں اسلامی احکام پر چلنا ایسا ہی ہے جیسے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز صراطِ مستقیم پر چلنا لہٰذا جو یہاں ناسازگار حالات اور نازک وقت میں احکامِ شریعت پر قائم رہا وہی

قیامت کے دن آسانی اور تیزی کے ساتھ پُل صراط سے گذر کر جنت میں جا پہنچے گا۔

ایک اعتراض

اگر کہا جائے کہ ایسی باریک اور تیز چیز پر چلنا عند العقل محال ہے کیونکہ چلنے کے لئے ضروری ہے کہ چلنے کی جگہ قدموں سے بڑی ہو اور وہ اطراف سے گھری ہوئی ہو۔ عجیب بات ہے کہ نام نہاد مسلمان اُمورِ غیبیہ کی ہر بات کو عقل کی ترازو میں تولنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جس قادر وحکیم خدا نے ہوا میں اڑنے والے پرندوں کو ہوا میں اُڑنے اور فضا میں قائم رہنے کی صلاحیت بخشی ہے وہی اگر ہمیں پُل صراط پر سے گذرنے کی صلاحیت عطا فرما دے تو اس میں کون سے اچنبھے کی بات ہے لہٰذا پُل صراط پر ایمان لانا واجب ہے۔

جنّت و دوزخ

جنت و دوزخ کے وجود، اُن کے صفات وخواص، نعمائے جنّت اور عذاب کے مختلف اقسام کا ذکر قرآن و احادیثِ قطعیہ میں جن الفاظ میں آیا ہے، انہی الفاظ پر ایمان رکھنا چاہیے اور اُن کے وہی معنے لینے چاہئیں جو لغت عرب کے مطابق ہوں۔ جہانتک فہم انسانی کی رسائی ہے وہاں تک ضرور عقل سے کام لینا چاہیئے اور جہاں عقل

انسانی کی حد ختم ہو جائے وہاں حقیقت و کیفیت کو اللہ کے
حوالے کر دینا چاہیئے۔ پس مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ راحت
و آسائش اور لطف و سرور کی جتنی صورتیں، کیفیتیں اور
سامان اس دنیا میں پائے جاتے ہیں وہ اور جن کا ہم
تصور اور وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے وہ سب جنت میں
حاصل ہوں گے۔

بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی رنج و الم، دکھ، مصیبت،
تکلیف اور تنگی نہ ہوگی، نہ کوئی کسی کا محتاج ہوگا۔ اس
دنیا میں کوئی راحت ایسی نہیں جس کے ساتھ کوئی
مصیبت لگی ہوئی نہ ہو۔ کوئی سکھ ایسا نہیں جس کے ساتھ
کوئی دُکھ نہ ہو اور کوئی کمال ایسا نہیں جس کے بعد
زوال نہ ہو۔ بہشت میں یہ سب چیزیں خالص اور اصلی
صورت میں ہوں گی۔

قرآن و احادیث میں نعمائے جنت کے متعلق جو
الفاظ آئے ہیں اور دنیا سے ملتی جلتی جن جن نعمتوں اور
راحتوں کا ذکر ہے وہ صرف نام کی مشابہت ہے، اُن کی
حقیقت و کیفیت فہمِ انسانی سے باہر کی چیزیں ہیں لہذا
جنت کی چیزوں کو اِن دنیا کی چیزوں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔
دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو

چاہے وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ اور اولوالعزم ہی کیوں نہ
ہو سب خدا کے محتاج، آپس میں ایک دوسرے کے محتاج
اور مادّی اسباب و وسائل کے محتاج ہیں۔ جنت وہ جگہ
ہے جہاں کوئی کسی شخص اور کسی چیز کا محتاج نہ ہوگا۔

دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں اور جنت کی سب چیزیں
باقی رہنے والی ہیں۔

اسی طرح دوزخ کی سب چیزوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔
جتنے بھی دکھ، رنج و الم، تکالیف و مصائب، شدائد و نوائب
اس دنیا میں ہیں اور جو تصوّر میں بھی نہیں آسکتیں ان سب
کی جگہ دوزخ ہے۔

بس یہ ہے جنت و دوزخ پر ایمان لانے کی بات۔
اس سے زیادہ باریکیوں، بحثوں، کاوشوں اور جھگڑوں میں پڑنا
فضول ہے۔

قرآن و حدیث سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ مخلوق
ہیں اور موجود ہیں مگر کہاں ہیں یا قیامت کے دن کہاں
ہوں گے اس کے متعلق صحیح، قطعی اور یقینی طور پر کچھ
کہنا بندوں کا کام اور عقیدے کی بات نہیں۔ ہاں بعض
روایتوں میں آیا ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر عرش کے
نیچے ہے اور دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ وہ کہیں بھی ہوں

اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ جنت و دوزخ اس وقت بھی موجود ہیں۔ جنت کے متعلق قرآن کی آیت ہے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ جنت متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور دوزخ کے بارے میں فرمایا۔ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْن دوزخ کافروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ الغرض جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر تو بہت سی آیات واحادیث وارد ہیں مگر کسی نص قطعی سے اُن کا مکان وجہت ثابت نہیں۔ معتزلہ وفلاسفہ کو جنت و دوزخ سے انکار ہے مگر ہمیں تو قرآن وحدیث دونوں سے یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ جنت و دوزخ کا وجود ہے نصوص شرعیہ اُن کی شاہد ہیں۔

معتزلہ وفلاسفہ اور اس زمانے کے مادہ پرست کچھ بھی سمجھیں، سچے مسلمان تو فقط اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور فلسفیانہ بحثوں، منطقی موشگافیوں اور نظریاتی الجھنوں میں پھنس کر اپنے ایمان کو پس وپیش میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔

ایک بات غور طلب ہے کہ ہر قسم کا ذائقہ لذت و تکلیف دونوں ہی سے خمیر ہوتا ہے۔ قیامت میں ان کے اجزا کا شیرازہ بھی جدا جدا کر کے اپنی اپنی جگہ پہنچا دیا جائے گا، جنت و دوزخ کی طرح رنج وراحت کی تقسیم ہو گی اور

نیکی و بدی کی بھی کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج وتکلیف برائی کے اقسام میں سے، اس لئے ان کی اصل کے بھی دو ہی مقام ہوں گے جن کو جنت و دوزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ دنیا کی ہر قسم کی لذتیں خواہ عورتوں سے صحبت ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں گی۔ لذت جماع خود کچھ بُری نہیں ہوتی۔ اُس میں برائی اُس وقت پیدا ہوتی جب جنسی لذت قانونِ شریعت اور قانونِ فطرت کو توڑ دے۔ اگر بہشت میں یہ لذت بھی موجود ہو تو اس میں تعجب یا عیب کی کون سی بات ہے علیٰ ھذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں اور اذیتیں موجود ہوں گی جو دنیا کی تکلیفوں واذیتوں سے زیادہ اور شدید تر ہوں تو اس میں خلاف عقل کون سی بات ہے؛

عالم آخرت درحقیقت دنیوی عالم کا ایک عکس ہے۔ جو کچھ دنیا میں روحانی طور پر ایمان کے نتائج اور کفر کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہی عالم آخرت میں جسمانی طور پر ظاہر ہو جائیں گے۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔

جو اس جہان میں اندھا ہے وہ اس جہان میں بھی اندھا ہو گا۔

پس ہمیں ایک تمثیلی وجود سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ مثال ہمارے سامنے موجود ہے روحانی امور عالمِ رؤیا میں متمثل ہو کر نظر آتے ہیں۔ اس پر ہمیں کوئی تعجب یا اعتراض نہیں ہوتا تو جنّت و دوزخ پر تعجب یا اعتراض کیوں؟

نہریں، درخت اور حوریں اُن کی دیکھا دیکھی منافقین غیر مسلمین، مادہ پرست اور بہشت کے اِن انعامات پر اکثر تمسخر اڑایا کرتے ہیں اور مومنوں کا منہ چڑاتے ہیں۔ یہ ان کی کم علمی، کوتاہ نظری، بدذوقی اور سیاہ باطنی ہے۔ جب ایمان دل میں نہ ہو تو امورِ غیبیہ ایمانیہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی اور ہر ماوراء المادّہ حقیقت قابلِ انکار و تمسخر ٹھہرتی ہے۔ قربان جائیے مخبرِ صادق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے، آپ نے اُسی وقت اس قسم کے انکار و تمسخر کی جڑ کاٹ کر رکھ دی تھی۔ فرمایا۔

لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

بہشت کی نعمتیں نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں، نہ کانوں نے سُنی ہیں اور نہ کسی بشر کے خیال میں گذری ہیں۔

پس بہشت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس کر کے اور اپنے ذہن سے اُن کا مفہوم و مفاد تراش کر اُن کا انکار کرنا یا مذاق اُڑانا جہل و حماقت اور مادّیت پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟

جنّت کی راحتوں، لذّتوں اور نعمتوں کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ ارشادِ نبوی کے مطابق، ان راحتوں اور نعمتوں کا جب کسی نہ کسی طرح تصوّر آجائے گا تو خطور علی قلب بشر اس پر صادق ہو گا خواہ وہ اجمالی ہو، یا تفصیلی، بالوجہ ہو یا بلاوجہ اور باکنہ ہو یا بلاکنہ حالانکہ حضورؐ کے ارشاد کی رو سے اُن کی کنہ و حقیقت کسی کے دل پر گذر ہی نہیں سکتی۔ سبحان اللہ کیا جڑ کاٹی ہے حضورؐ نے کفر و انکار اور تمسخر و استہزاء کی۔

قرآن نے تو یہ کہہ کر کفر و نفاق کا منہ ہی کالا کر دیا۔
لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ بہشت میں کوئی لغو اور گناہ کی بات نہ ہوگی۔

قرآن و حدیث نے جنت میں پاک بیبیوں کی رفاقت اور اُن سے لذت و سکون پانے کا ذکر بھی کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا ہے لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذَّابًا ۝

بہشت میں کوئی لغو اور جھوٹ بات نہ ہوگی۔

قرآن نے شراب کی نہروں کی بھی مومنوں کو بشارت دی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا ہے لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۝ بہشتی شراب نہ سر میں چکّر پیدا کریگی اور نہ بہکائے گی۔ دنیا کی شراب میں لطف و سرور بھی ہے، اور سفلی جذبات کی انگیخت اور حیوانیت بھی، جنّتی شراب میں دنیوی شراب سے کروڑوں حصّہ

زیادہ لطف وسرور ہوگا مگر سفلی جذبات کی گمراہی اور حیوانی و بدمستی ہرگز نہ ہوگی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ

کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں، جو اُس کے لئے مخفی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہم پر دنیا کی نعمتیں مخفی نہیں، دودھ، انگور، شراب، انار، شہد، نہریں اور حسین وجمیل عورتوں کو ہم جانتے ہیں معلوم ہوا کہ جنت کی چیزیں ہی اور ہیں، دنیا کی ان چیزوں سے اُن کی صرف نام کی مشابہت ہے۔ سو جس نے بہشت کو دنیا کی نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کا مجموعہ سمجھا اور اُن کو دنیا کی چیزوں پر قیاس کیا اس نے اپنی نادانی، کم علمی، کوتاہ فہمی اور بدذوقی کا ثبوت دیا۔

جسم؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ حشر ونشر کے بارے میں کلام مجید سے یہ تو ثابت ہے کہ عذاب وثواب برداشت کرنے کے لئے جسم ہوں گے اور جزا وسزا جسمانی ہوگی مگر قرآن حکیم نے یہ نہیں بتلایا کہ جسم یہی ہوگا یا کوئی اور؟ بہرحال یہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ جزا وسزا کے لئے ایک جسم دیا جائیگا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"جسموں کا اُٹھنا اور روحوں کا دوبارہ ان میں داخل ہونا، یہ کوئی نئی زندگی نہیں بلکہ دنیوی زندگی ہی کا تتمہ ہے"۔

جو مرگئے ہیں اُن کے نفوس کھڑے ہوجائیں گے اور اُن کا تعلق جسم سے قوی الاثر ہوگا اور ریڑھ کی ہڈی باقی رہ جائے گی۔ یعنی ایک ایسا نشان جس سے پہچانا جائے کہ یہ فلاں شخص کا جسم ہے، پھر وہ جسم سے مل جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

سائنسدان کہتے ہیں کہ بالآخر زمین وآسمان ایک خشک سیارہ بن جائیں گے کیونکہ سمندر کا پانی خشک ہوتا جارہا ہے۔ اب تک گہرائی میں سمندر کا متوسط عمق ۱۶۰۰۰ ہزار قدم سے زیادہ نہیں۔ اس حساب سے جس طرح چاند بالکل خشک ہوکر رہ گیا ہے اسی طرح دو کروڑ برس کے بعد زمین بھی بالکل خشک ہوجائے گی، سمندروں میں پانی نام کو بھی نہ رہے گا اور زمین، آسمان کے بعض خشک سیاروں کے مشابہ ہوجائے گی۔ یہ آفتاب سے نکلی ہے اور اُسی میں جاملے گی پھر آفتاب بھی فنا ہوجائے گا۔

خلاصۂ مباحث قیامت کا آنا برحق ہے۔ خدا کے سامنے حاضر ہونا اور زندگی کا حساب دینا برحق ہے۔ حیاتِ دنیوی کے بعد حیاتِ اُخروی برحق ہے۔ علاماتِ قیامت کے متعلق قرآن وحدیث نے جو خبریں دی ہیں وہ برحق ہیں اور ان سب چیزوں پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک مسلمان کی حیثیت

سے جینا اور مسلمان کی حیثیت سے مرنا سیکھیں، غفلت
و نافرمانی سے باز آئیں اور خواہشاتِ نفس کے مقابلے میں
اسلامی احکام پر چلنے کا عزم کریں۔

یاد رکھیئے کہ ایمان بالآخرت کی پوری تفصیل آپ کے
سامنے ہے۔ یہ ایمان ہی اخلاقی زندگی کی جان، دینداری
کی بنیاد اور حیاتِ اسلامیہ کا محور و مرکز ہے۔ ہم مسلمانوں کی
مردہ رگوں میں جو چیز خونِ حیات دوڑا سکتی ہے وہ ایمان
بالآخرت ہی ہے۔ جو چیز ہمیں فرشِ ذلت سے اُٹھا کر عرشِ
عزت پر متمکن کر سکتی ہے وہ خدا پرستی و نیک عملی ہے اور جو
چیز ہمیں فلاحِ دارین کا مستحق بنا سکتی ہے وہ اسلام ہے۔

اللہ ہم مسلمانوں کو ایمان و تقویٰ کی زندگی عطا کرے
اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر